اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ امام احمد رضا خان قادری بریلوی قدس سرہ کے افکار کا حقیقی و تحقیقی ترجمان

ماہنامہ جہانِ رضا لاہور

بیاد

امام اہلسنت مجدد دین و ملت الشاہ امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ

بانی مجلس رضا حکیم اہلسنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

بانی ماہنامہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

جلد ۲۵، مارچ/اپریل ۲۰۱۷ء/جمادی الاخریٰ
رجب المرجب ۱۴۳۸ھ شمارہ ۲۳۷،۲۳۸



ایڈیٹر

محمد منیر رضا قادری رضوی عفی عنہ

فہرست

خط و کتابت ترسیل زر اور ملنے کا پتا

مسلم کتابوی
داتا دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ لاہور
0321-4477511
042-37225605
Email:muslimkitabevi@gmail.com

زر تعاون فی پرچہ -/30 روپے

سالانہ چندہ بذریعہ ڈاک -/500

قصائدِ رضویہ فارسی کی مختصر شرح

(قسط 2)

۴ تو ہب گاہ مُلکِ ہند اِقامت را نمی شاید
جرس فریاد می دارد که بر بندیه محملها

"وہابیت زدہ ملک ہندوستان اب وطن بنانے کے لائق نہیں لگتا، گھنٹہ دُہائی دے رہا ہے کہ اونٹوں کے کجاوے کس لو (رخت سفر باندھ لو)۔"

حلِ مفردات: توہب گاہ: جائے موہوبہ، ماقام وہابیت۔☆ اقامت: ایک جگہ رہنا، وطن بنانا ☆ جرس: گھڑیال، گھنٹہ، سہانی آواز ☆ محمل: اونٹ کا کجاوہ ☆ فریاد: دہائی ☆ بر: اوپر، پھل، سینہ، آغوش، بغل، گود، نزدیک، چوڑائی۔

۵ صلائے مجلسم درگوش آمد بیں بیا بشنو
جرس مستانہ می گوی که بربندید محملها

"میرے کان میں مجلس کی آواز آئی کہ آ گاہ! اس طرف متوجہ ہو اور سن کہ گھنٹہ مست کے مانند کہہ رہا ہے کہ اپنے کجاوے کسلو (رخت سفر باندھ لو)۔"

حلِ مفردات: صلا: دعوت عام کرنا، آواز دینا کھانا کھلانے یا کچھ دینے کیلئے۔☆ بیں: دیکھنے والا، دیکھ۔☆ بیا، بشنو: تو آ، تو سن، تینوں امر کے صیغے ہیں۔ ایک نسخہ میں بیں کے بجائے "ہیں" ہے، جو کلمۂ تنبیہ وزجر ہے۔ ☆ مستانہ: مست کے مانند، متوالے کے موافق۔

تفسیر قرآن

(امام اہلسنت مجدد دین ملت الشاہ احمد رضا خان علیہ الرحمۃ)

مسئلہ:- از مدرسہ منظرِ اسلام ۲۶؍جمادی الاولیٰ ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین کہ شانِ نزول اِس آیت شریفہ کی

﴿وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنۡ اٰتٰىنَا مِنۡ فَضۡلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ﴾[الایہ]

اور ان میں سے کوئی وہ ہیں جنہوں نے اللہ عزوجل سے عہد کیا تھا کہ اگر ہمیں اپنے فضل سے دے گا تو ہم ضرور خیرات کریں گے اور ہم ضرور بھلے آدمی ہو جائیں گے۔

حدیث ثعلبہ ابنِ حاطب ہے یا اور کوئی حدیث؟ حدیث ثعلبہ کی صحیح یا حسن یا ضعیف یا موضوع؟ یہ ثعلبہ ابن حاطب بدری ہے یا اور کوئی؟

الجواب:- بدری حضرت سیّدنا ثعلبہ بن حاطب بن عمرو بن عبید انصاری ہیں۔ رضی اللہ عنہ۔ اور یہ شخص جس کے باب میں یہ آیت اتری ثعلبہ ابن ابی حاطب ہے۔ اگرچہ یہ بھی قوم اُوس سے تھا۔ اور بعض نے اس کا نام بھی ثعلبہ ابن حاطب کہا۔ مگر وہ بدری خود زمانۂ اقدس حضور پرنور ﷺ میں جنگِ احد میں شہید ہوئے۔ اور یہ منافق زمانۂ خلافت امیر المومنین عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں مرا۔ جب اس نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا اور آیۂ کریمہ میں اس کی مزمت اتری، حضور پرنور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا۔ حضور نے قبول نہ فرمائی۔ پھر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں لایا۔ انھوں نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے

تیری زکوٰۃ قبول نہ فرمائی، اور میں قبول کرلوں، ہرگز نہ ہوگا۔ پھر خلافتِ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حاضر لایا۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وابوبکر قبول نہ فرمائیں اور میں لے لوں یہ کبھی نہ ہوگا۔ پھر خلافتِ ذی النورین غنی رضی اللہ عنہ میں لایا، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وصدیق وفاروق نے قبول نہ فرمائی، میں بھی نہ لوں گا۔ آخر انہیں کی خلافت میں مرگیا۔

اللہ عزوجل اہلِ بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نسبت فرما چکا اعمول اماشئتم فقد غفرت لکم جو چاہو کرو میں تمہیں بخش چکا۔

اور اس منافق کے باب میں فرماتا ہے فاعقبهم نفاقافی قلوبهم الی یوم یلقونه۔ اس کے پیچھے اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق پیدا کیا کہ مرتے دم تک نہ جائے گا۔

حاشا اللہ نور و ظلمت کیونکر جمع ہو سکتے ہیں۔

امام حافظ الشان اصابہ میں فرماتے ہیں

ثعلبہ بن حاطب بن عمر والانصاری ذکرہ موسٰی بن عقبہ و ابن اسحٰق فی البدریین وکذا ذکرہ ابن الکلبی و زادانہ قتل باحد۔

ثعلبہ بن حاطب بن عمرو انصاری کو موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحاق نے اہل بدر میں ذکر کیا۔ اسی طرح ابن کلبی نے ذکر کیا اور یہ اضافہ کیا کہ وہ احد میں شہید ہوئے۔

تفسیر امام ابن جریر میں ہے

حدثنی محمد ابن کبد حدثنی ابی حدثنی عمی حدثنی ابی عن ابیه عن ابن عباس رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما ان

رجلا یقال له ثعلبه ابن ابی حاطب اخلف اللّٰه ماوعده نقص اللّٰه تعالیٰ شانه فی القرآن ومنهم من عاهد اللّٰه الی قوله یکذبون۔

مجھ سے محمد بن سعد نے بیان کیا انہوں نے کہا۔ مجھ سے میرے والد نے بیان کیا اس نے کہا مجھ سے میرے والد نے والد سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا۔ ایک شخص کو ثعلبہ بن ابی حاطب کہا جاتا ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے وعدے کی خلاف ورزی کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے حال کو قرآن مجید میں فرمایا ﴿وَ مِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَىٕنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ۝ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَ تَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ۝ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ۝﴾

تفسیرِ معالم میں ہے

قال الحسن ومجاهد نزلت فی ثعلبة بن ابی حاطب الخ

امام حسن احد مجاہد نے کہا یہ آیت ثعلبہ بن ابی حاطب کے بارے میں نازل ہوئی

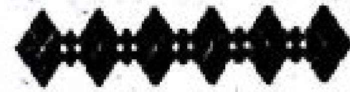
تفسیر ابن جریر و ثعلبی وغیرہم میں حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی فانزل اللّٰه تعالیٰ فیه و منهم من عاهد اللّٰه وعند رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم رجل من اقارب ثعلبة فسمع ذلك فخرج

حتى اتاه فقال و يحك يا ثعلبة قد انزل الله فيك كذا وكذا فخرج ثعلبة حتى اتى النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم فسأله ان يقبل صدقته فقال ان الله منعنى ان اقبل منك صدقتك ثم الى ابا بكر حين استخلف فقال اقبل صدقتى فقال ابو بكر لم يقبلها رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم وانا اقبلها فلما ولى عمر اتاه فقال يا اميرالمومنين اقبل صدقتى فقال لم يقبلها رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم ولا ابو بكر ولا عمر رضوان الله تعالٰى عليهما وانا لا اقبلها فلم يقبلها منه وهلك ثعلبة خلافة عثمان رضى الله تعالٰى عنه اھ مختصرا یہ سب اس حدیثِ ثعلبہ کی تسلیم پر ہے۔ ورنہ وہ سرے سے ثابت الصحت نہیں امام ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں فرمایا ان صح الخبر ولا اظنه يصح۔

اقول یہ حدیث ابی امامہ رضی اللہ عنہ جس میں بجائے ابن ابی حاطب ابن حاطب کہا، ابن جریر و بغوی و ثعلبی و ابن السکن و ابن شاہین و باوردی سب کے یہاں بطریق معاذ ابن رفاعہ عن علی بن یزید عن القاسم عن ابی امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے، اور علی بن یزید میں کلام معلوم ہے۔ حافظ الشان نے تقریب میں فرمایا ضعیفؒ امام دارقطنی نے فرمایا متروکؒ امام بخاری نے فرمایا منکر الحدیث اور فرمایا کل من اقول فیه منکر الحدیث لاتحل الروایة عنه جسے میں منکر الحدیث کہوں اس سے روایت حلال نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اللہ عزوجل نے اس کے بارے آیت نازل فرمائی "اور ان میں کوئی وہ ہیں جنہوں نے اللہ تعالٰی سے عہد کیا تھا اس وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس ثعلبہ کے قریبی رشتہ داروں میں ایک شخص موجود تھا جس نے اس آیت کو سنا تو وہ وہاں سے نکلا

اور ثعلبہ کے پاس آکر کہا: اے ثعلبہ! تیرے لیئے ہلاکت ہو اللہ تعالٰی نے تیرے بارے میں ایسا ایسا حکم نازل فرمایا ہے۔ تو ثعلبہ نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور درخواست کی کہ اس کا صدقہ قبول کیا جائے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالٰی نے مجھے منع فرمادیا ہے کہ میں تیرا صدقہ قبول کروں پھر جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ خلیفہ بنے تو ثعلبہ نے ان کے پاس آکر کہا میرا صدقہ قبول کرلیں۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے قبول نہیں فرمایا تو میں قبول کروں؟ جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ امیر المؤمنین بنے تو ثعلب نے آکر کہا۔ اے امیر المؤمنین! میرا صدقہ قبول فرمالیں تو آپ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے اسے قبول نہیں کیا اور نہ ہی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے قبول کیا اور میں بھی قبول نہیں کروں گا۔ پھر جب عثمان غنی رضی اللہ عنہ امیر المؤمنین بنے تو اس نے آکر صدقہ قبول کرنے کی درخواست پیش کی آپ نے فرمایا اسے رسول اللہ ﷺ، ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے قبول نہیں کیا میں بھی قبول نہیں کروں گا اور آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہی ثعلبہ ہلاک ہوگیا۔ (اختصاراً)



سانحہ لاہور سے پوری قوم سوگوار ہے۔۔۔۔۔

از سیّد زاہد حسین نعیمی

پیر 12 فروری لاہور چیئرنگ کراس پر ایک خودکش دہشت گرد حملے سے انسانی قیمتی جانوں کے ضیاع سے پوری قوم سوگوار ہے۔ اطلاعات کے مطابق لاہور میں جب کیمسٹ ایسوسی ایشن کی ہڑتال تھی اور عہدیداران سے مذاکرات جاری تھے کہ اسی دوران الفلاح بلڈنگ سے آنے والے ایک دہشت گرد نے پولیس اہلکاران کے قریب آکر خود کو دھماکہ سے اُڑا دیا، جس کے نتیجہ میں ڈی آئی جی ٹریفک کیپٹن (ر) احمد مبین، ایس ایس پی آپریشن زاہد محمود گوندل دو نوجوان، ایلیٹ فورس اور آئی جی پولیس کا ایک گن مین اور ایس پی پولیس کا سیکورٹی گارڈ، سات دیگر اہلکار سمیت مجموعی تیرہ اہلکار اور مزید اطلاعت کے مطابق سولہ افراد شہید، جبکہ تراسی افراد مجموعی طور پر زخمی ہوئے۔ یہ سانحہ 10:6 پر پیش آیا۔ اس دہشت گرد حملے کی ذمہ داری کالعدم تنظیم جماعت الاحرار نے قبول کی ہے۔ وفاقی وزیر داخلہ کے مطابق ہمیں دو دہشت گردوں کا لاہور میں داخل ہونے کی اطلاعات تھیں، جو وزیر اعظم کو جمعہ و ہفتہ کے دوران لاہور میں دورہ کے دوران نشانہ بنانے کا ارادہ رکھتے تھے، جبکہ صوبائی وزیر پنجاب رانا ثناء اللہ نے میڈیا کو بتایا ہے، کہ دہشت گردوں کا نشانہ وزیر اعلیٰ پنجاب تھے، جو اس وقت اہم معاملہ میں وہاں آنا چاہتے تھے، دہشت گرد کا نشانہ کیمسٹ ایسوسی ایشن کے عہدیداران نہ تھے، اس لئے کہ اُن سے گزر کر دہشت گرد ایس پی اور ڈی آئی جی تک پہنچا تھا، جو وزیر اعلیٰ کے لئے سیکورٹی کلیئر کر رہے تھے۔ بہر حال نشانہ کوئی بھی تھا، کیمسٹ ایسوسی ایشن کے عہدیداران کا ہڑتالی کیمپ، وزیر اعظم پاکستان یا پھر وزیر اعلیٰ پنجاب، اس سے ایک بات تو ضروری عیاں ہوگئی،

کہ دہشت گردوں کا نیٹ ورک پھر سے متحرک ہو چکا ہے، جیسا کہ اسی دن متعدد مقامات پر خوف و ہراس پھیلانا، کوئٹہ میں دہشت گردی سے تین سیکورٹی اہلکاروں کی شہادت، کراچی میں سماء نیوز چینل کے کیمرہ مین کی شہادت، پھر مزید دو اہلکاروں کی شہادت، یہ اس بات کا پیغام ہیں، کہ دہشت گرد پھر سے منظم ہو رہے ہیں، اور اپنے نیٹ ورک کو پھر سے متحرک کرنے میں مصروف ہیں۔ ضرب عضب کی کاری ضرب سے اگرچہ دہشت گردی میں کچھ کمی ہوئی تھی، لیکن پارہ چنار سانحہ کے بعد پے در پے ملک بھر میں حملے اور دہشت گردوں کا مختلف مقامات اور شہروں سے گرفتار ہونا ہمارے خدشے کو تقویت دیتا ہے۔

راقم السطور نے اپنے گزشتہ کالم جو پارہ چنار کے سانحہ پر لکھا گیا تھا، انہی خدشات کا اظہار کرتے ہوئے چند تجاویز بھی دیں تھیں۔ وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف نے سانحہ لاہور کے بعد ایک اہم اجلاس کی صدارت کی ہے اور سیکورٹی کو مزید موثر بنانے پر اتفاق کیا ہے۔ میڈیا کی اطلاعات کے مطابق وزیر اعظم نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ”دہشت گردوں کے ساتھ ساتھ ان کے سہولت کاروں کو بھی ختم کرنا ضروری ہے“۔ وزیر اعظم نے مزید کہا کہ ”دہشت گردوں کے خلاف بلاتفریق کارروائیاں جاری رہیں گی اور دہشت گردوں کو شکست دینے کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں“۔

میں اپنے متعدد کالموں میں اس بات پر زور دے چکا ہوں، کہ اگر دہشت گردی کو ختم کرنا ہے تو درخت کو تنے سے کاٹنے سے ختم نہ ہوگی، جب تک کہ اُسے جڑ سے اکھاڑ نہ پھینکا جائے۔ دہشت گرد ایک دن میں پیدا نہیں ہوتے اور وہ کوئی بھی دہشت گرد کارروائی نہیں کر سکتے، وہ کوئی غیر مرائی مخلوق نہیں ہیں، جو نظر نہ آئے اور نہ ہی اُنہوں نے کوئی سلیمانی ٹوپی پہن رکھی ہے، کہ دکھائی نہ دیں، نہ ہی وہ جن یا

فرشتے ہیں جو نظر نہیں آتے، وہ بھی ہماری طرح کے انسان ہیں۔ ہماری خفیہ ایجنسیوں کو بھی اُن کی آمد کی اطلاعات بھی ہوتی ہیں اور وہ کیا ہدف رکھتے ہیں، یہ بھی ان کے علم میں ہوتا ہے۔ سیکورٹی کو الرٹ بھی کر دیا جاتا ہے، جبکہ ہمارے وفاقی وزیر داخلہ بھی دہشت گردوں کے داخلے کا بتا چکے ہیں اور پنجاب کے صوبائی وزیر بھی یہی اظہار کر رہے ہیں تو پھر کیا سیکورٹی الرٹ اس لئے کر دی جاتی ہے۔ سانحہ رونما ہو جائے، پھر دوڑیں لگا دی جاتی ہیں، ہمارا موقف یہ ہے کہ دہشت گردوں کا پورے ملک میں نیٹ ورک موجود ہے۔ اگرچہ وقتی طور پر ضرب عضب کے باعث وہ زیر زمین چلے گئے تھے، یا کچھ پڑوسی ملک افغانستان بھاگ گئے تھے۔ وہ مناسب وقت کا انتظار کر رہے تھے۔ جنرل راحیل شریف کے رخصت ہونے کے ساتھ ہی اُنہوں نے خود کو پھر سے متحرک کر دیا ہے، جبکہ فوجی عدالتوں کے معاملہ کو بھی ہمارے سیاستدانوں نے پھر سے متنازع بنا دیا ہے۔ پوری محنت سے سانحہ پشاور کے بعد جو ایکشن پلان بنایا گیا تھا، نہ تو اُسے موثر بنایا گیا اور نہ ہی اُس پر مکمل طور پر عمل کیا گیا۔ کراچی میں رینجرز کی موثر کارروائیوں سے امن کی بحالی میں مدد ملی تھی، لیکن اُن کے اس عمل کو بھی شک کی نظر سے دیکھا گیا۔ بلوچستان، خیبر پختونخواہ میں یقیناً کارروائیاں ہوئیں، لیکن دوسری طرف دہشت گردوں بالخصوص کالعدم تنظیموں کے لئے ہمدردی رکھنے والوں کو عزت افزائی بھی کی جاتی رہی، ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور اس محاورے کو جاننے کے باوجود اس کی گہرائی تک نہ پہنچا گیا۔ دہشت گردی کے خلاف اگرچہ کراچی، بلوچستان اور خیبر پختونخواہ میں کارروائیاں ہوتی رہیں، لیکن محب وطن پاکستانیوں کی بار بار نشاندہی کے باوجود پنجاب میں اس پر عملدر آمد نہیں کیا گیا۔ بالخصوص جنوبی پنجاب جسے کالعدم تنظیموں کا گڑھ سمجھا جاتا ہے، مسلم لیگ (ن) کی قیادت خود ہدف تنقید بنتی رہی، کہ ان کے

کالعدم تنظیموں سے نہ صرف رابطے ہیں، بلکہ انتخابات میں ان کو اپنے مفادات میں استعمال کرتے ہیں۔ بالخصوص صوبائی وزیر رانا ثناء اللہ کا ان کے بارہ میں نرم گوشہ رہا ہے۔ ان الزامات کو اس وقت زیادہ تقویت ملتی ہے، جب کہیں نہ کہیں ان کی گٹھ جوڑ سامنے آتی ہے۔ حالیہ چنیوٹ جھنگ کے ضمنی الیکشن میں کالعدم سپاہ صحابہ کے رہنماء مولانا لدھیانوی جو خود فرقہ وارانہ اشتعال انگیزی کے لئے مشہور ہیں، جن پر کئی مقدمات قائم ہیں، ان پر نقل حرکت کی پابندی بھی ہے، کے لئے نرم گوشہ رکھنا، پہلے ان کا خود الیکشن لڑنے کا اعلان، پھر اپنے متبادل کو سامنے لانا، بھرپور انتخابی مہم چلانا، پھر ان کے امیدوار کا جیت جانا، یہ کس بات کی غماز ہے؟ کیا سپاہ صحابہ ہی کا دوسرا نام اہلسنّت والجماعت نہیں ہے؟ کیا حکمران، ایجنسیاں، سیکورٹی فورسز، قانون نافذ کرنے والے ادارے ان سے غافل ہیں؟ ایک طرف یہ لوگ حکومتی ایوانوں میں بیٹھ کر مگرمچھ کے آنسو بہا رہے ہیں، اور دوسری طرف دہشت گردوں اور ان کے ہمدردوں سے تعلق بھی رکھتے ہیں۔ آخر سہولت کار کس بلا کا نام ہے؟ یہ محض ایک اصطلاح ہے یا پھر کوئی آسمانی مخلوق، آئے روز قانون نافذ کرنے والے اداروں اور سیکورٹی فورسز کے ہاتھوں گرفتار ہونے والے یہ لوگ کون ہیں، جن سے ہزاروں کی مقدار میں اسلحہ و بارود پکڑا جاتا ہے۔ اگر واقعی وزیر اعظم اپنے بیان میں سنجیدہ ہیں اور یقیناً اُن کی محب الوطنی میں شک نہیں کیا جا سکتا تو پھر ان کو فی الفور ایکشن لینا ہوگا اور خود اُن کی جماعت میں جو لوگ بھی ان شدت پسندوں کے لئے نرم گوشہ رکھتے ہیں، ان کا محاسبہ بھی کرنا ہوگا۔

اگرچہ عمران خان ایک غیر سنجیدہ سیاست دان ہیں، ان کی منفی سیاست نے ملک کی تعمیر وترقی میں رکاوٹ پیدا کی ہے، لیکن ان کا یہ مطالبہ کہ پنجاب میں بھی ایکشن پلان پر عملدر آمد ہونا چاہیے، یہ ایک سنجیدہ مطالبہ ہے، یہ صرف عمران خان کا

ہی مطالبہ نہیں ہے، بلکہ ہر محب وطن پاکستانی کا مطالبہ ہے، کہ پنجاب بھر میں ایکشن پلان پر عملدرآمد ہونا چاہیے۔ اگرچہ بلوچستان، کراچی، خیبر پختونخواہ بھی سب پاکستانیوں کے گھر ہیں، لیکن یہ سمجھ کر کے دوسرے کے گھر کو آگ لگی ہوئی ہے تو مجھے کیا میرا گھر تو محفوظ ہے، نہیں بلکہ دوسرے کے گھر کی آگ لپک کر آپ کے گھر کو بھی بھسم کر سکتی ہے۔ ضرب عضب کے بعد ایک خدشہ یہ بھی ہے، کہ دہشت گردوں نے اپنے ٹھکانے پنجاب میں بنالئے ہیں۔ اس لئے بھی ضروری ہے کہ پنجاب میں بھرپور کارروائی کی جائے اور بغیر لگی لپٹی کے اُن سیاسی و مذہبی جماعتوں سے جو حکومت کے اتحادی ہیں، ان سے کہا جائے کہ بلا تخصیص ایکشن پلان پر عملدرآمد میں حکومت کا ساتھ دیں اور سہولت کار جو بھی ہے، جہاں بھی ہے، اُس کے خلاف بھرپور کارروائی کی جائے۔

ایک اطلاع یہ بھی ہے کہ حکومت نے مدارس کی رجسٹریشن کا فیصلہ کرلیا ہے، بلکہ اس پر عملدرآمد بھی شروع کر دیا گیا ہے۔ اگر یہ خبر درست ہے تو ملک کے لئے یہ بھی ایک نیک شگون ہے۔ اس طرح باہر سے آنے والے اُن لوگوں کا ریکارڈ رکھا جائے گا جو کسی بھی طرح مدارس سے استفادہ کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں مدارس کے ذمہ داران کو بھی حکومت سے تعاون کرنا چاہیے اور حکومت بھی بلا وجہ مدارس کو تنگ نہ کرے۔ مقصد دہشت گردی کا خاتمہ ہے۔ حکومت افغانستان دہشت گردی کے خاتمہ کے لئے پاکستان سے تعاون میں پس وپیش سے کام لے رہی ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ سانحہ لاہور کی کڑیاں بھی افغانستان سے جاملتی ہیں۔ اس میں شک نہیں، ایسا ممکن ہے چونکہ بھارت کی پاکستان دشمنی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، وہ پاکستان کو غیر مستحکم کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہے۔ عین LOC پر اُسی دن تین پاکستانی فوجی جوانوں کو شہید کر دینا، اس کی منہ بولتی مثال ہے۔ اس لئے سانحہ لاہور میں بھارت کا

ملوث ہونا یقینی ہے۔ لیکن LOC پر محض جوابی کارروائی کرنا کافی نہیں، بہت ہی موثر اور عملی اقدامات کی ضرورت ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ فوجی عدالتوں کو پھر سے فعال بنایا جائے اور اس سلسلہ میں سیاستدان مثبت کردار ادا کریں۔ مسئلہ کی نزاکت اور فوجی عدالتوں کی ضرورت واہمیت کو سمجھیں۔ پاکستان کی سلامتی سب سے زیادہ عزیز ہے اور اسی کو مقدم رکھنا نہ صرف حکومت بلکہ تمام سیاسی و مذہبی جماعتوں کی ذمہ داری بنتی ہے، جسے پورا کرنا ان کا قومی و ملی فریضہ ہے۔



درگاہ شہباز قلندر سیون شریف میں
دہشت گرد حملہ۔۔۔۔۔!

از سیّد زاہد حسین نعیمی

جمعرات 16 فروری بعد نمازِ مغرب سندھ کی مشہور درگاہ حضرت عثمان مروندی المعروف شہباز قلندر سیون شریف پر اُس وقت خودکش حملہ ہوا جب نمازِ مغرب کی ادائیگی کے بعد عقیدت کا نذرانہ پیش کرنے میں مصروف تھے۔ آخری اطلاعات کے مطابق شہید ہونے والوں کی تعداد 75 سے 81 تک ہے، جبکہ دوسو کے قریب افراد زخمی ہیں جن میں سے بعض کی حالات تشویش ناک ہے۔ ہم اس سانحہ پر اظہارِ خیال کرنے سے پہلے حضرت شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح و تعلیمات کا مختصر تعارف قارئین کی نذر کرتے ہیں۔

حضرت شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ افغانستان کے صوبہ ہرات میں 573ھ میں پیدا ہوئے۔ ایک روایت کے مطابق آپ آذر بائیجان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا اصل نام سیّد عثمان بن سیّد کبیر تھا۔ ہرات کے قریہ مروند کے باعث عثمان مروندی کہلائے، مروند کو مہند بھی کہا جاتا تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب سیّد اسماعیل بن امام محمد بن امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے جاملتا ہے۔ مروند میں ہی تعلیم حاصل کی، علوم ظاہری سے نحو، صرف اور علوم مروّجہ کے ماہر تھے۔ شعر و سخن کا مشغلہ تھا، اپنا نام عثمان ہی تخلص کرتے تھے، باطنی علوم اور راہ سلوک حضرت شیخ منصور رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیں۔ ان کی صحبت میں ایک طویل عرصہ رہ کر کامل ہوئے۔ پھر حضرت بابا ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ ولی کامل کی خدمت میں حاضر ہو کر صوفیاء کے طریق کے مطابق بیعت ہوئے اور ایک سال تک اُن کی صحبت میں رہ کر ریاضتوں سے روحانیت میں کمال حاصل کیا۔ روحانیت میں کامل پاکر مرشد نے آپ کو خرقہ خلافت سے نوازا اور دین متین کی اشاعت اور خدمت خلق کا حکم دیا۔ آپ نے متعدد کاملین امت سے کسب فیض کیا۔ بتایا جاتا ہے کہ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر، حضرت بہاؤالدین ملتانی، حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت، حضرت جلال الدین بخاری اور حضرت شیخ صدر الدین عارف رحمۃ اللہ تعالیٰ اجمعین سے بھی فیض حاصل کیا۔ سیر و سیاحت کو اختیار کیا اور یوں حضرت شیخ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پھر انہی کے حکم سے سندھ کے علاقہ سیون شریف کو اپنا مسکن بنایا۔ سیون شریف جہاں آپ نے ڈیرا ڈالا، یہاں فاحشہ عورتوں کا اڈا تھا۔ آپ کو اِسی مقام پر قیام کا حکم ہوا۔ جس شب آپ یہاں متمکن ہوئے کوئی بھی بدکار مرد فاحشہ عورتوں سے جنسی تعلق قائم کرنے پر قادر نہ ہوئے۔ مردانگی وہ اپنی کی سلب ہونے کا ماجرا صبح ایک دوسرے سے بیان کرتے رہے۔ بالآخر وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ ضرور یہ اسی مرد قلندر کی کرامت ہے، جس نے یہاں ڈیرا ڈالا ہے۔ تمام بدکار مرد اور فاحشہ عورتیں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے گناہوں سے تائب ہو کر ہمیشہ کے لئے خدا رسیدہ ہو گئے۔ آخری عمر میں جذب کی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ آپ فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے، آپ کی شاعری و تعلیمات محبت، اخوت، بھائی چارہ، خدمت خلق، احترام انسانیت سے بھری پڑی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم و غیر مسلم آپ کے عقیدت مند ہیں۔ 21 شعبان المعظم 673ھ مطابق 1274ء میں آپ کا وصال ہوا اور اپنی قائم کردہ خانقاہ جو رشد و ہدایت کا سرچشمہ ہے، میں آپ کی تدفین ہوئی۔ فیروز شاہ کی حکومت کے زمانہ میں ملک رکن الدین نے آپ کا روضہ تعمیر کرایا، پھر دوبارہ 993ھ میں مرزا جانی خان ترخانی خاندان کے آخری بادشاہ نے تعمیر کرایا اور ازاں بعد ان کے بیٹے مرزا غازی بیگ نے 1009ھ میں تعمیر کرایا۔ گزشتہ تقریباً 8

صدیوں سے سیون شریف میں آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔ صرف جمعرات کے دن آپ کے مزار پر 6 سے 10 ہزار تک عقیدت مند حاضری دیتے ہیں۔ عرس کے موقع پر یہ تعداد لاکھوں میں ہوتی ہے۔

درگاہ حضرت شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ پر دہشت گردوں نے جمعرات کے دن بعد از نمازِ مغرب حملہ کیا۔ اطلاعات کے مطابق یہ خودکش حملہ تھا، جو سیکورٹی کے ناکافی انتظام کے باعث پیش آیا۔ گولڈن گیٹ سے خودکش حملہ آور درگاہ کے اندر اُس مقام میں داخل ہوا جہاں عقیدت مند صوفی رقص دھمال کرتے ہیں۔ دہشت گرد نے خود کو اڑا دیا جس کے نتیجہ میں انسانی جانوں کا ضیاع ہوا۔ اس حملہ کی ذمہ داری داعش ISIS نے قبول کی ہے۔ ابھی چند دن پہلے لاہور میں دہشت گردی سے کئی قیمتی جانیں ضیاع ہوئی تھیں۔ ابھی قوم سانحہ لاہور کے غم وسوگ سے دوچار تھی کہ دہشت گردوں نے سیون شریف کی اس عظیم روحانی مقام و درگاہ کو دہشت گردی کا نشانہ بنایا۔ درگاہ شاہ نورانی پر دہشت گرد حملہ کے موقع پر بھی راقم السطور نے لکھا تھا، کہ پاکستان میں سب سے زیادہ نذرانہ صوفیاء کرام کے مزارات اور درگاہوں سے حاصل ہوتا ہے، لیکن ان درگاہوں اور مزارات پر سہولیات کا فقدان ہے۔ حاصل شدہ نذرانوں کا 10 فیصد بھی ان پر خرچ نہیں کیا جاتا۔ دہشت گردی ایک عالمی مسئلہ ہے، اس میں کوئی شک نہیں، لیکن عالم اسلام کو کمزور کرنے کی سازش اگرچہ اسلام دشمن عناصر تیار کرتے ہیں، لیکن اس کا آلہ کار خود مسلمان بنتے ہیں اور اس کی کافی ذمہ داری مسلم ممالک کے حکمرانوں پر عائد ہوتی ہے۔ دنیا میں پائی جانے والے دہشت گرد تنظیمیں چاہے وہ اسلام کے نام پر وجود میں آئی ہیں یا پھر غیر مسلموں نے اسلام کو بدنام کرنے کے لئے بنائی ہیں، ان سب کا ایجنڈا ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو پارہ پارہ کرنا اور اپنے مفادات کی تکمیل کرنا۔ عیسائیوں نے بالخصوص ایک منصوبہ

بندی کے تحت مسلمانوں پر صلیبی جنگوں کو مسلط کر دیا ہے، مقاصد ایک ہیں، لیکن انداز اور طریقہ کار مختلف ہے۔ یہ دوست نما دشمن ہیں۔ یہود و ہنود اپنے مقاصد ان سے پورے کر رہے ہیں۔ راقم السطور کئی بار لکھ چکا ہے کہ امریکا نے اپنا بدلہ لینے کے لئے روس کے خلاف دنیا بھر میں اسلامی جہادیوں کو وجود بخشا۔ القاعدہ، طالبان اور پھر ان سے جنم لینے والی جملہ دہشت گرد تنظیمیں انہی سے وجود میں آئیں۔ براعظم افریقہ سے لے کر ایشیاء تک ان جہادیوں سے کام لیا جاتا رہا، لیکن ہر جگہ اس کی نوعیت مختلف تھی، لبنان، فلسطین میں اور مصر، اردن میں اور عراق وشام میں اور پاکستان وافغانستان میں اور لیبیا وترکی میں اور القاعدہ کو عراق کے لئے استعمال کیا گیا۔ طالبان کو افغانستان اور پاکستان کے لئے استعمال کیا گیا۔ اب داعش کو لیبیا، شام، ترکی کے لئے وجود بخشا گیا ہے۔ پھر امریکا نے اپنی پالیسی میں یہ تبدیلی لائی کہ ایک ملک میں ان دہشت گرد تنظیموں کی مدد کرتا ہے اور دوسرے ملک میں مخالفت کرتا ہے۔ القاعدہ اسی مقصد کے لئے بنائی گئی تھی، لیکن جب کام نکل گیا تو اُسامہ بن لادن کو بھی ہلاک کر دیا۔ اپنے دوستوں کے ذریعہ طالبان کو پاکستان میں مدد کرتا ہے اور افغانستان میں مخالفت، داعش جو نئی تنظیم کے طور پر اُبھری ہے، اس کے ذمہ وسیع کام لگا دیا گیا ہے۔ اسے یہ خواب دکھائے گئے ہیں کہ تم نے پوری دنیا میں مسلمانوں کی خلافت کے ذریعہ قیادت کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حال ہی میں امریکا کے ایک ہوائی اڈا پر ایک سابق امریکن فوجی کے ہاتھوں امریکی اور غیر ملکی قتل ہوئے۔ ازاں بعد اسے گرفتار کر لیا گیا جس کے بعد اُس نے بیان دیا ہے کہ امریکی فوج میں داعش میں بھرتی ہونے اور اُس کے لئے کام کرنے کی ہدایات دی جاتی ہیں۔ داعش کی ویڈیو فلمیں دکھائی جاتی ہیں۔ نوجوانوں کو داعش میں بھرتی ہونے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ یہ انکشاف یقیناً مسلم دنیا کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی

ہے۔شام، عراق، لیبیا میں اس دہشت گرد تنظیم نے پورے تسلسل کے ساتھ اسلام کے نشانوں کو مٹا کر یہودیوں اور عیسائیوں کے مقاصد کی تکمیل کی۔صحابہ کرام، اہل بیت اطہار، صالحین امت، صوفیاءِ عظام وہ پاکباز ہستیاں ہیں جنہوں نے شرق و غرب اسلام کی امن پسند تعلیمات کو پھیلایا، ان کے نشان ان کے وہ مزارات و درگاہیں ہیں جو محبت، اخوت، بھائی چارے اور اسلام کی امن پسند تعلیمات کے گہوارے ہیں۔ان نشانات کو مٹانا یہود وہنود اور نصرانیوں کا بنیادی ہدف ہے۔اس مقصد کے حصول کے لئے اُن کو مسلم ممالک میں میر جعفر ومیر صادق بھی مل جاتے ہیں۔مسلم ممالک کے حکمرانوں بالخصوص سعودی عرب، عرب امارات، قطر، بحرین، کویت وغیرہ وہ مہرے ہیں جن کو امریکا ایسے مقاصد کے لئے استعمال میں لاتا ہے، وگرنہ کیا بات ہے کہ عراق، شام میں داعش کے ہاتھوں مزارات صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار مٹائے جانے سے ان ممالک نے کبھی صدائے احتجاج بلند نہیں کیا۔اس کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ یمن اور سعودی عرب تنازع میں سعودی عرب نے یمن کے خلاف اتحاد بنایا۔یمن اگر کوئی میزائل سعودی عرب کے خلاف داغے تو اسلام خطرے میں پڑ جاتا ہے، پاکستان سمیت دیگر مسلم ممالک میں تحفظ حرمین کانفرنسیں منعقد کی جاتی ہیں، OIC سمیت مذہبی جماعتوں کے رہنماء جلسے کرتے ہیں، احتجاج ہوتا ہے، اقوام متحدہ سے بھی مداخلت کا مطالبہ کیا جاتا ہے، لیکن کیا وجہ ہے کہ مشہور صحابی رسول، عالم اسلام کے عظیم جنرل رسول اللہ ﷺ سے سیف اللہ کا خطاب/لقب پانے والے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا مزار داعش توپوں کے گولوں سے اڑائے اس کو مسمار کرے، اس کے نشان مٹائے، اور پھر ان مزارات کے شہید شدہ ملبے پر کھڑے ہو کر فتح کا جشن منائے تو OIC بھی خاموش، عرب اتحاد بھی خاموش، سعودی عرب بھی خاموش، مسلم حکمران بھی خاموش، تحفظ حرمین کے رہنما بھی

خاموش، پاکستان کے حکمران بھی خاموش، پاکستان کے مذہبی رہنماء بھی خاموش اور یہی نہیں بلکہ دو لفظ مزمت کے ادا کرنے سے قاصر۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیاری نواسی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا مزار داعش نے مٹایا، لیکن ان سب کو جیسے سانپ نے سونگھ لیا، کیوں اس لئے کہ داعش کو تو اسی مقصد کے لئے وجود بخشا گیا تھا۔ اس وقت مسلم ممالک میں داعش کے لئے جونرم گوشہ ہے، یہ ایک بڑے طوفان کا پیش خیمہ ہے۔یہ یہود وہنود اور صلیبوں کی بہت بڑی مسلمانوں کے خلاف منصوبہ بندی ہے۔داعش اسرائیل کے خلاف جہاد نہیں کرتی، امریکا کے خلاف جہاد نہیں کرتی، اس کا جہاد صرف اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہی کیوں ہے؟ عالم اسلام کے لئے یہ لمحہ فکر ہے۔

حضرت امام بری سرکار، حضرت داتا گنج بخش ہجویری، حضرت رحمان بابا، حضرت عبد اللہ شاہ غازی اور حال ہی میں درگاہ شاہ نورانی پر دہشت گرد حملوں سے ہزاروں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی۔مذہبی جماعتوں کے لب کیوں مزمت کے لئے نہیں حرکت میں آئے؟ کتنی مذہبی شخصیات نے مزمت کی، احتجاج کیا، جلسے کیے، جلوس نکالے، جماعت دعوۃ، جمعیت علماء اسلام، اتحاد العلماء پاکستان (طاہر اشرفی)، شیعہ علماء کونسل، تحریک فقہ جعفریہ، وحدت المسلمین، جماعت اسلامی، دفاع پاکستان کونسل، جمعیت اہلحدیث وغیرہ نے کتنا احتجاج کیا اور کتنی کانفرنسیں منعقد کیں۔کیا یہ لمحہ فکر نہیں ہے؟ دہشت گردی کسی بھی نوعیت کی ہو، وہ قابل مزمت ہے۔سعودی عرب کو عدم استحکام کا شکار کرنے کے لئے ہو یا پھر پاکستان کو، وہ داعش کرے یا پھر القاعدہ، طالبان کریں یا پھر سپاہ صحابہ، لشکر جھنگوی، جماعت الاحرار، حزب التحریر یا پھر کوئی اور دہشت گردی صرف دہشت گردی ہے۔ اس کا شکار شیعہ بن رہے ہوں یا سنی درگاہیں ہوں، مدارس ہوں یا مساجد، ہمارے

فوجی جوان اس کا شکار ہو رہے ہوں یا پھر عام عوام۔ ان تمام صورتوں میں خون تو بہر حال انسانیت کا ہی بہہ رہا ہے۔ بدنام تو صرف مسلمان اور اسلام ہو رہا ہے۔

ہم کب تک اپنے اپنے مفادات کے غلام بن کر کبوتر کی چال چلیں گے۔ صرف آنکھیں بند کر کے اپنی حفاظت نہیں کی جا سکتی، بلکہ اپنی حفاظت کے لئے آنکھیں کھولنا پڑیں گی اور بحیثیت ایک قوم پوری شدت وطاقت کے ساتھ اس کے خاتمہ کے لئے کوشش کرنا ہوگی۔ اگر پاکستان میں ہم مصلحت کا شکار ہوئے تو پھر تباہی سے کوئی بھی نہیں بچا سکتا۔ اس لئے اب بھی وقت ہے کہ آنے والے وقت کا ادراک کرتے ہوئے ہم ہوش کے ناخن لیں۔ ہمارے حکمران، عوام، سیاسی ومذہبی رہنما آج عظیم قدیم صوفی بزرگ کی درگاہ نشانہ بنتی ہے تو کل ہم بھی اس آگ سے محفوظ نہیں ہیں۔ وزیر اعظم پاکستان، آرمی چیف خصوصی طور پر صرف بیان بازی کے بجائے عملی اقدامات اٹھائیں۔ قوم اُن کے شانہ بشانہ کھڑی ہے۔



استصناع اور جدید کاروباری معاملات

(فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں)

(ڈاکٹر صبا نور)

الاستصناع بیع کی ایک صورت ہے علماء کرام کا اس کے جواز پر اتفاق ہے لیکن بیع کی باقی اقسام کی طرح اس عقد کے جائز ہونے کی بھی کچھ شرائط ہیں کتب فقہ میں استصناع سے متعلقہ تفصیلات موجود ہیں۔ فقہاء کرام نے عوام الناس کی ضرورت اور رواج کے پیش نظر استصناع کو جائز قرار دیا ہے۔

عموماً خرید وفروخت کے معاملات میں دو فریقین ایک شے سے متعلق معاملہ طے کرتے ہیں لیکن انہی معاملات میں کچھ عقود ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں شے عقد کے وقت موجود نہیں ہوتی بلکہ مستقبل میں فروخت کار شے کو خریدار کے حوالے کرنے کا وعدہ کرتا ہے۔ بوقت عقد فریقین شے سے متعلقہ تمام معاملات طے کرتے ہیں جیسے بیع سلم، اِستصناع۔

معنیٰ ومفہوم:

اِستصناع کا لغوی معنیٰ ہے کسی شے کو تیار کروانے کا مطالبہ کرنا، شرعی اعتبار سے کسی سے آرڈر پر شے تیار کروانا الاستصناع ہے۔ (۱)

عوام الناس اپنی ضروریات کی اَشیاء آرڈر پر تیار کرواتے ہیں اِس عقد میں خریدار کسی کاریگر کے پاس جا کر شے کی تیاری کا مطالبہ کرتا ہے۔ فقہا کرام نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ استصناع میں وقت مقرر نہ کیا جائے اور اگر کیا جائے تو وہ ایک ماہ سے کم کا ہو۔

درمختار میں علامہ علاء الدین حصکفی لکھتے ہیں:

"عقد میں مدت ہی نہ ہو یا ایک ماہ سے کم ہو تو استصناع ہے
اور اس کے جواز کے لیے تعامل ضروری ہے یعنی جس کے
بنانے کا رواج ہو۔"(۲)

العطایہ النبویہ فی الفتاویٰ رضویہ میں الشیخ احمد رضا اس کی وضاحت کرتے ہیں:

"کسی سے کوئی شے اس طرح بنوانا کہ وہ اپنے پاس سے اتنی
قیمت کو بنا دے یہ صورت استصناع کہلاتی ہے اگر اس شے
کے اس طرح بنوانے کا رواج ہو اور اس شے کی قسم وصفت و
حال پیمانہ و قیمت وغیرہا کی ایسی تصریح ہو گئی ہو کہ کوئی جہالت
آئندہ منازعت کے قابل نہ رہے اور اس میں کوئی معیاد مہلت
دینے کے لیے ذکر نہ کی گئی تو یہ عقد شرعاً جائز ہوتا ہے۔"(۳)

فقہا کرام نے استصناع کی معیاد ایک ماہ سے کم مقرر کی ہے۔ گر ایک ماہ سے زیادہ ہو تو وہ عقد استصناع نہیں بلکہ سلم ہو جاتا ہے اور اس میں وہ تمام شرائط جو عقد سلم کے لیے ضروری ہیں ان کا محقق ہونا لازم ہو جاتا ہے۔ سلم اور استصناع دونوں عقود الگ الگ ہیں۔ سلم کی الگ شرائط کتب فقہ کے اندر تفصیل سے درج ہیں جو اس عقد کی درستگی کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ اس طرح استصناع کے جواز کے لیے بھی فقہا کرام نے کچھ باتوں کی نشاندہی کی ہے جو اس عقد کے لیے ضروری ہے۔

استصناع کی شرائط:

کتب فقہ کے اندر عقد استصناع کی شرائط کچھ اس طرح سے بیان کی گئی ہیں۔

ردالمحتار میں ہے:

"(۱) جو شے بنوانا مطلوب ہو اُس شے کی جنس، نوع، صفت
اور مقدار کو بیان کرنا ضروری ہے اور یہ کہ اس میں لوگوں کا

عرف جاری ہو اور یہ کہ اس کی کوئی معیاد مقرر نہ کی
جائے۔"(۴)

اسی میں ہے:

"(۲) اگر کوئی معیاد مقرر کی گئی ہو تو یہ عقد سلم ہو گا یا اُس وقت
ہے جب بیان مدت مہلت طلب کرنے کے طور پر ہو مثلاً ایک
ماہ یا اس کی مثل ذکر کیا اور اگر مدت کا بیان طلب عجلت کے طور
پر ہو مثلاً کہا تجھ سے یہ شے اس شرط پر بنواتا ہو کہ تو کل یا
پرسوں اس کو بنا کر فارغ ہو جائے تو یہ عقد سلم نہ ہو گا۔"(۵)

یعنی ویسے ہی آئندہ آنے والے کل یا ہفتے کا تذکرہ کرنے سے سلم محقق نہ ہو گی لیکن اگر یہ معیاد ایک مہینے سے زائد مقرر کی تو وہ سلم ہو جائے گا۔

فتاویٰ رضویہ میں اس بات کی وضاحت کچھ اس طرح سے کی گئی ہے:

"یہاں معیاد ایک مہینہ یا زائد ہی کی تھی عقد بیع سلم ہو گیا اور
بوجہ تردید کہ ایک مہینہ میں تین اور زیادہ میں چوبیس نہ قیمت
متعین ہو گی نہ مدت حالانکہ ان کا تعین سلم میں ضروری
ہے۔"(۶)

استصناع اور سلم:

خرید و فروخت کی اقسام میں استصناع اور سلم ایک دوسرے سے مطابقت رکھتے ہیں۔ دونوں عقود میں "شے" موجود نہیں ہوتی یعنی معدوم شے کی بیع کی جاتی ہے۔ سلم اور استصناع دونوں عقود ہی اپنی نوعیت، شرائط اور معاملات میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

سلم بیع کی ایک خاص قسم ہے جس میں خریدار فروخت کار کو شے کی مکمل

قیمت پہلے ادا کر دیتا ہے اور فروخت کار شے کچھ عرصے بعد خریدار کے حوالے کرتا ہے البتہ اس عقد کے محقق ہونے کی کچھ شرائط ہیں ان میں سے ایک بھی کم ہو تو یہ عقد شرعاً ناجائز ہو جاتا ہے۔ ان شرائط کی تعداد فقہا کرام کے نزدیک مختلف ہے درمختار میں علامہ علاء الدین حصکفی ردُالمختار میں علامہ ابن عابدین شامی، تنویر الابصار میں علامہ شمس الدین نے عقد سلم کی صحیح ہونے کی تقریباً آٹھ شرائط بیان کیں ہیں۔ الشیخ احمد رضا خان نے اپنی تصنیف العطایہ النبویہ فی الفتاویٰ رضویہ میں عقد سلم کی بارہ شرائط بیان کیں ہیں۔

خریدار کو شے سے متعلق، جنس، صفت، مقدار ان سب کی تفصیل بتانا ضروری ہوتا ہے۔ اس طرح وقت کا متعین کرنا بھی لازم ہے فقہا کرام کے نزدیک یہ ایک مہینہ سے کم نہ ہو۔ اس کے بعد جگہ، قیمت، ثمن اور ادائیگی سے متعلق تمام باتیں تفصیل سے طے کرنا ضروری ہیں۔

استصناع میں شے کی تیاری کا آرڈر دیا جاتا ہے اس عقد میں شے کی ساری قیمت پیشگی ادا نہیں کی جاتی بلکہ رواج کے مطابق کچھ رقم ایڈوانس کے طور پر فروخت کار کو دی جاتی ہے۔ استصناع میں تیاری کی مدت کم سے کم متعین کرنا ضروری ہے۔

ردُالحتار میں علامہ ابن عابدین شامی بیان کرتے ہیں:

"استصناع میں شے کی جنس، نوع، صفت، مقدار کو بیان کرنا اور یہ کہ اس میں لوگوں کا عرف جاری ہو اور یہ کہ اس کی کوئی مقدار مقرر نہ کی جائے ورنہ وہ عقد سلم ہو جائے گا۔"(۷)

سلم اور استصناع میں فرق:

ا۔ سلم میں ساری رقم پیشگی اَدا کرنا شرط ہے جبکہ استصناع میں ساری رقم عقد کے

وقت ادا نہیں کی جاتی بلکہ رقم کا کچھ حصہ بطور ایڈوانس فروخت کار کو دیا جاتا ہے اور یہ بھی لازم نہیں ہے بلکہ رواج کے مطابق ہے دونوں فریقین کو سہولت ہے۔

۲۔ استصناع میں وقت کا تعین لازم نہیں ہے بلکہ کم سے کم معیاد کا تذکرہ ہے جبکہ سلم میں وقت کا تعین لازمی شرط ہے۔

۳۔ سلم کا معاملہ طے کرتے وقت جو معیاد مقرر کی جاتی ہے بوقت عقد سے ختم معیاد تک اس شے کی مثل بازار میں موجود ہونا ضروری ہوتا ہے۔ جبکہ استصناع میں شے کی مثل موجود ہونا لازمی نہیں۔

العطایہ النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ میں الشیخ احمد رضا اس بات کی وضاحت کرتے ہیں:

"استصناع میں کوئی معیاد مہلت دینے کے لیے ذکر نہ کی گئی تو یہ عقد شرعاً جائز ہوگا اس میں بیع سلم کی شرطیں مثلاً روپیہ پیشگی اس جلسہ میں دے دینا یا اس شے کا بازار میں موجود ہونا یا مثلی ہونا کچھ ضروری نہیں ہوتا۔"(۸)

۴۔ استصناع شے کی تیادی سے قبل یا بعد میں منسوخ کیا جا سکتا ہے جبکہ سلم کے معاہدے کو دونوں فریقین منسوخ نہیں کر سکتے۔

۵۔ استصناع صرف اُن اشیاء میں ہو سکتا ہے جنہیں تیار کیا جا سکتا ہے جبکہ بیع سلم ہر طرح کی اشیاء میں ہو سکتی ہے۔

الغرض اس تحقیق سے یہ یہ بات سامنے آتی ہے کہ استصناع اور سلم دونوں میں فرق ہے۔ شریعت مطہرہ نے عوام الناس کی ضرورت کے پیشِ نظر ان عقود کو جائز قرار دیا۔ استصناع میں نزاع سے بچنے کی خاطر دونوں فریقین کچھ شرائط کے ساتھ

یہ معاملہ طے کرسکتے ہیں کیونکہ جس شے کی بیع کی جارہی ہے وہ معدوم ہے اور جو شے موجود نہ ہو اس سے متعلق فریقین کا ہر اس معاملے پر بات کرنا ضروری ہے جو بعد میں فساد کا باعث بنے۔

استصناع میں شے کی تیاری آرڈر کے مطابق کی جاتی ہے چونکہ اس عقد میں ساری رقم نہیں لی جاتی بلکہ کاریگر رقم ایڈوانس کے طور پر ضرور لیتا ہے تاکہ وہ کسی حد تک شے کی تیاری اور اس پر ہونے والے اخراجات کو برداشت کرے اور باقی رقم شے کی تیاری کے بعد کاریگر کو دی جاتی ہے جبکہ بعض اوقات رقم کو مختلف اقساط میں ادا کیا جاتا ہے۔

استصناع کا اطلاق

عہد حاضر میں استصناع کی کئی مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں عموماً اشیا آرڈر پر تیار کی جاتیں ہیں کاریگر اشیاء کے کئی نمونے خریدار کے سامنے پیش کرتا ہے خریدار اپنی پسند کے مطابق کسی ایک شے کو منتخب کرتا ہے اور کاریگر سے اُسی قسم کی شے تیار کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس شے کی قیمت، وقت مقدار اور صفات سے متعلق دونوں فریقین تفصیل سے معاملہ طے کرتے ہیں اور کُل قیمت کا کچھ حصہ بطور ایڈوانس کے طور پر ادا کیا جاتا ہے اور باقی رقم شے کی تیاری کے بعد ادا کی جاتی ہے۔ استصناع میں اَشیاء کی تیاری کے لیے ایک خاص وقت درکار ہوتا ہے کاریگر اشیاء کی تیاری کی مکمل ذمہ داری لیتا ہے۔ بعض دفعہ اس شے قیمت کو کئی اقساط میں ادا کیا جاسکتا ہے اس عقد میں خریدار کی سہولت کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔

اسلامی بنک اور مالیاتی ادارے استصناع مختلف منصوبوں کی تمویل کے لیے استعمال کرتے ہیں جیسا کہ رہائش، عمارتوں کی تعمیر، پلانٹ، سڑکیں وغیرہ، ہوائی جہازوں، پانی کے جہازوں اور مشینیں بنانے کے لیے۔ اس کو درآمدات کی تمویل

اور زیر استعمال سرمایے کے لیے ان صنعتوں میں بھی استعمال کیا جاسکتا ہے جن میں فروخت کے آرڈر پیشگی وصول ہوتے ہیں۔ بنک استصناع کے ذریعے تمویل ایک متوازی معاہدے کے ذریعے شے کی تیاری سے کرسکتے ہیں۔ اس طرح وہ بیک وقت شئے بنانے والے اور اس کے خریدار کا کردار ادا کرتے ہیں۔ تاہم استصناع قدرتی اور غیر صنعتی اشیا کے لیے استعمال نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ جانور اور پھل وغیرہ

اسلامی بنکوں میں استصناع کے ذریعے تمویل کا طریقہ کار کچھ یوں ہوتا ہے کہ معاہدہ اسلامی بنک کسٹمر اور کاریگر کے مابین ہوتا ہے۔ خریدار اور فروخت کار اور اسلامی بنک معاہدے پر دستخط کرتے ہیں بنک کاریگر سے اُس شے کی تیاری کا مطالبہ کرتا ہے بنک معاہدے کی بناء پر وہ مطلوبہ شے کسٹمر کے حوالے کرتا ہے کاریگر یا اشیاء تیار کرنے والی کمپنی شے تیار کرنے کے بعد بنک کے حوالے کر دیتا ہے۔ کسٹمر شے کی رقم بنک کو فراہم کرتا ہے بنک شے تیار کرنے والی کمیٹی کو وہ رقم ادا کر دیتا ہے کمیٹی بنک کو وہ شے دے دیتی ہے اور بنک کسٹمر کو وہ شے حوالے کر دیتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ نظام الدین، ملا، فتاویٰ الھندیہ، کتاب البیوع، الباب الثامن السلم، بیروت: دار الفکر، ج:۳، ص:۱۹۶۔۱۹۷

۲۔ حصکفی، محمد بن علی، علامہ، درمختار، کتاب البیوع، باب السلم، بیروت: دار المعرفہ، ج:۷، ص:۴۹۸

۳۔ احمد رضا خاں، الشیخ، العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ، لاہور: رضا فاؤنڈیشن، ج:۱۷، ص:۵۹۷

۴۔ ابن عابدین شامی، علامہ، ردالمحتار حاشیہ در مختار، بیروت: دار لاحیا التراث العربی، ج:۴، ص:۲۱۲

۵۔ احمد رضا خاں، مولانا، فتاویٰ رضویہ، ج:۱۷، ص:۵۹۷

۶۔ ایضاً، ص:۵۹۸

۷۔ ابن عابدین شامی، ردالمحتار، ج:۴، ص:۲۱۲

۸۔ احمد رضا خاں، فتاویٰ رضویہ، ص:۵۹۸

اعلیٰ حضرت علم وفن کے ساتھ اخلاق و کردار کے بھی بادشاہ تھے

ابوانس امتیاز احمد

اعلیٰ حضرت تاج دارِ اہل سنت امام احمد رضا قادری محدث بریلوی (۱۲۷۲ھ - ۱۳۴۰ھ) علم وفضل کے وہ درخشندہ آفتاب تھے جس نے اپنی تابندگی سے پورے جہاں کو منور کردیا، آپ کی ذات جامع الصفات تھی۔ ایک سو سے زائد علوم و فنون پر ایک ہزار سے زیادہ تصنیفات و تالیفات اور حواشی آپ کے علمی وفور وتبحر اور دقیقہ سنجی ونقطہ رسی کا پتا دیتی ہیں۔ خاص طور پر اصلاحِ عقائد واعمال میں آپ نے بیش بہا دینی وملی خدمات انجام دیں اور زبان وقلم کے ذریعہ پوری زندگی اسلام و سُنّیت کی تبلیغ اور عقائد حقہ کی ترسیل فرماتے رہے۔

ان تمام اوصاف وکمالات کے ساتھ ساتھ آپ اخلاق وکردار کے پیکر تھے، اور یہ کیوں نہ ہو کہ آپ تاجدار کائنات ﷺ کے سچے عاشق اور شیدائی تھے، عشقِ رسول آپ کی گھٹی میں تھا۔ آپ کا ہر قدم سنتِ خیر الانام کے مطابق اٹھتا، ہر ایک سے انتہائی خندہ روئی سے ملاقات کرتے، جو شخص ایک بار آپ سے ملاقات کر لیتا وہ آپ کے حسنِ اخلاق وکردار اور علم وکمال سے اس قدر متاثر ہوتا کہ بار بار ملاقات کا خواہاں ہوتا۔ ضرورت مندوں اور ناداروں کی ضروریات کا خاص خیال فرماتے اور تکمیلِ حاجات کا سامان کرتے۔ تواضع وانکساری آپ کی سرشت میں داخل تھی۔ آپ کے پہلو میں ایسا دردمند دل تھا جو خدمتِ دین اور احترامِ انسانیت کے لیے ہمیشہ مضطرب اور پریشان رہتا۔

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ نے ایمان وعقائد کی دیوار میں نقب زنی کرنے والوں کے ساتھ کوئی رعایت نہ برتی، بلکہ ان کے بارے میں جو شریعت کا حکم ہے اسی پر عمل پیرا رہے، جس کی وجہ سے مخالفین نے حقیقتِ حال سے چشم پوشی کرتے ہوئے یہ مشتہر کرنا شروع کردیا کہ "امام احمد رضا خاں بڑے سخت گیر تھے" حالانکہ امام احمد رضا قادری رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ آپ بے حد خلیق، ملنسار، خندہ رو، خوش کردار وخوش مزاج انسان تھے۔ بڑوں کا احترام، اساتذہ کا پاس وادب، والدین کی خدمت، اصاغر نوازی، بے کسوں اور مجبوروں کی فریاد رسی اور آشفتہ حالوں کی امداد واعانت آپ کی حیاتِ مستعار کے معمولات میں داخل تھے۔

البتہ خدا اور رسول عزوجل وﷺ کے دشمنوں، محبوبانِ بارگاہِ الٰہی کے حاسدوں، بدمذہبوں اور گم راہوں کے لیے آپ کے دل میں کوئی جگہ نہ تھی۔ اور یہی شریعت کا حکم بھی ہے اور ایمان واخلاق کا تقاضا بھی ہے۔ اللہ ورسول اور مقربین بارگاہِ الٰہی کی تنقیصِ شان کرنے والوں کو پہلے آپ نے آگاہ فرمایا۔ توبہ ورجوع کی دعوت دی، اس کے بعد بھی جب وہ باز نہ آئے تو ان کا واضح اور صریح حکم قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان فرمادیا۔ اس کو سخت گیری اور تندمزاجی سے تعبیر کرنا عقل و خرد سے دوری کی علامت ہے۔ بھلا وہ شخص جس کی پوری زندگی شریعتِ مطہرہ کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہو، جو قرآن وسنت پر اخلاص کے ساتھ عامل ہو۔ اور جس نے پوری زندگی قول وعمل اور تحریر وتصنیف کے ذریعہ اخلاقِ حسنہ، انسانی ہمدردی، اخوت ومروت اور رواداری وبہی خواہی کی تبلیغ وتشہیر کی ہو وہ سخت گیر کیوں کر ہوسکتا ہے اور اخلاق سے گرے ہوئے کام کیسے انجام دے سکتا ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی زندگی "اشداء علی الکفار رحماء بینھم"

کی سچی تصویر تھی۔ آپ شرعی امور و معاملات میں اپنے اور غیر میں کوئی امتیاز روانہ رکھتے، منہیات سے باز رہنے کی تاکید فرماتے اور اوامر کو بجالانے کا حکم دیتے اور یہ باتیں آپ کی خوش خلقی و خوش کردار کے منافی نہیں ہیں۔

حسنِ اخلاق کے واقعات سے آپ کے صحیفۂ زندگی کا ورق ورق پُر ہے۔ آپ اتنے بااخلاق و بامروت تھے کہ گالیوں کا جواب بھی مسکراہٹوں کے پھول سے دیتے۔ ایک بار کسی وہابی نے شرارت کی اور امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں گالیوں سے بھرا خط بھیجا۔ ملک العلما حضرت علامہ ظفر الدین بہاری نے چند سطریں پڑھ کر اس کو علیحدہ رکھ دیا۔ امام اہلِ سنت کے ایک نئے مرید و معتقد نے وہ خط اٹھا کر پڑھنا شروع کر دیا، اتفاقِ وقت کہ بھیجنے والے کا جو نام اور پتا درج تھا وہ ان صاحب کے اطراف کے تھے، اس لیے ان کو غصہ آیا اور بے حد رنج ہوا۔ اس وقت تو خاموش رہے لیکن جب اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ مغرب کی نماز کے بعد مکان تشریف لے جانے لگے تو آپ کو روک کر عرض گزار ہوا۔ اس وقت جو خط میں نے پڑھا، جسے مولانا ظفر الدین صاحب نے ذرا سا پڑھ کر چھوڑ دیا تھا، کسی بدتمیز نے نہایت کمینہ پن کو راہ دی ہے اور اس میں گالیاں لکھ بھیجی ہیں۔ میری رائے ہے کہ ان پر مقدمہ کیا جائے، ایسے لوگوں کو قرار واقعی سزا دلوائی جائے تا کہ دوسروں کے لیے ذریعۂ عبرت و نصیحت ہو ورنہ دوسروں کو بھی ایسی جرأت ہوگی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ تشریف رکھیے، اندر تشریف لے گئے اور دس پندرہ خطوط دست مبارک میں لیے ہوئے تشریف لائے اور فرمایا کہ ان کو پڑھیے۔ لوگ متحیر تھے کہ کس قسم کے خطوط ہیں؟ خیال ہوا کہ شاید اسی قسم کے گالی نامے ہوں گے جن کے پڑھوانے سے یہ مقصود ہوگا کہ اس قسم کے خط آج کوئی نئی بات نہیں ہیں، بلکہ زمانے سے آرہے ہیں۔ میں اس کا عادی ہوں۔ لیکن خط پڑھتے جاتے تھے اور

ان صاحب کا چہرہ خوشی سے دمکتا جاتا تھا۔ آخر میں جب سب خط پڑھ چکے، تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا، پہلے ان تعریف کرنے والوں بلکہ تعریف کا پل باندھنے والوں کو انعام و اکرام اور جاگیر و عطیات سے مالا مال کر دیجیے، پھر گالی دینے والوں کو سزا دلوانے کی فکر کیجیے گا۔ انہوں نے اپنی مجبوری و معذوری ظاہر کی اور کہا کہ جی تو یہی چاہتا ہے کہ ان سب کو اتنا انعام و اکرام دیا جائے کہ نہ صرف ان کو بلکہ ان کے پشت ہا پشت کو کافی ہو، مگر میری وسعت سے باہر ہے۔ فرمایا: جب آپ مخلص کو نفع نہیں پہنچا سکتے تو مخالفین کو نقصان بھی نہ پہنچائیے۔

(حیاتِ اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۱۶۴، ۱۶۵۔ مطبوعہ پوربندر، گجرات)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کی بلند اخلاقی اور اعلیٰ ظرفی کا اندازہ درج بالا واقعہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ اپنے مخالفین و معاندین کو بھی معاف فرمادیتے اور اپنی ذات کو برا بھلا کہنے والوں کے خلاف بھی حرفِ شکایت زبان پر نہ لاتے۔ آپ کا ہر کام اخلاص و للّٰہیت سے پُر ہوتا۔ اگر کسی سے محبت فرماتے تو صرف اور صرف اللہ کے لیے اور اگر کسی کی مخالفت کرتے تو اللہ ہی کے لیے۔

ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''میں نے علمائے کرام اور مشائخ عظام کی جہاں تک زیارت کی اور معززین دنیاداروں کو دیکھا اکثر ایسا ہی پایا کہ ان کی تعریف کیجیے تو خوش، اور جہاں کسی بات پر اعتراض کیا اس درجہ خفا ہوئے کہ اس کی صورت بھی دیکھنی نہیں چاہتے۔ ان میں سب سے اول نمبر جسے مستثنیٰ دیکھا، وہ ذاتِ گرامی صفات اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت کی تھی، اور اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ آپ کے سب کام محض اللہ کے لیے تھے نہ کسی کی تعریف سے مطلب، نہ کسی کی ملامت کا خوف تھا۔ حدیث شریف: ''مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ۔'' کے

مصداق تھے۔ آپ کسی سے محبت کرتے تو اللہ ہی کے لیے، مخالفت کرتے تو اللہ ہی کے لیے، کسی کو کچھ دیتے تو اللہ ہی کے لیے اور کسی کو منع کرتے تو اللہ ہی کے لیے۔ جیسا کہ خود ایک رباعی میں فرماتے ہیں۔

نہ مرانوش ز تحسیں نہ مرا نیش زطن
نہ مرا ہوش بمدحے نہ مرا گوش ذمے
منم و کنج خمولی کہ نہ گنجد در وے
جز من و چند کتابے و دوات و قلمے

(حیاتِ اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۱۶۱)

"یعنی: مجھے کسی کی تحسین سے خوشی ہے نہ کسی کے طعن سے غم،
اپنی تعریف سننے کا عادی ہوں نہ اپنی مذمت سے کوئی سروکار
(تمنا یہی ہے) کہ میں ہوں اور گوشۂ تنہائی ہو،
جس میں میرے چند کتابوں اور قلم و دوات کے سوا کوئی نہ ہو۔"

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ امیر و غریب، قریب و بعید، شناسا و غیر شناسا ہر ایک کی دل داری فرماتے، کسی کی دل شکنی نہ کرتے۔ کوئی غریب سے غریب آدمی آپ کے درِ دولت پر آتا، کچھ پیش کرتا، خلوص کے ساتھ قبول فرماتے، دعوت دیتا، اس کے گھر دل دہی کے لیے تشریف لے جاتے اور ماحضر خوشی بہ خوشی تناول فرماتے، کسی قسم کا حرفِ شکایت زبان پر نہ لاتے۔

اس کے علاوہ حاجت مندوں اور ناتوانوں کی امداد و اعانت آپ کا بہترین مشغلہ تھا۔ چنانچہ جناب سید ایوب علی رضوی صاحب کا بیان ہے کہ "کاشانۂ اقدس سے کبھی کوئی سائل خالی نہ پھرتا، اس کے علاوہ بیوگان کی امداد، ضرورت مندوں کی حاجت روائی اور ناداروں کے توکلاً علی اللہ مہینے مقرر تھے، اور یہ اعانت فقط مقامی نہ تھی بلکہ بیرون

جات میں بہ ذریعہ منی آرڈر رقومِ امداد روانہ فرمایا کرتے تھے۔" (مصدر سابق، ص:۱۸۱)

ایک مرتبہ ایک صاحب کی خدمت میں مدینہ منورہ پچاس روپے روانہ کرنے تھے۔ اتفاقِ وقت کہ حضور اعلیٰ حضرت کے پاس اس وقت کچھ نہ تھا، آپ نے بارگاہِ رسالت میں رجوع کیا کہ سرکار! میں نے کچھ بندگان خدا کے مہینے حضور کے بھروسے پر اپنے ذمہ مقرر کر لیے ہیں، اگر کل منی آرڈر پچاس روپے کا روانہ ہو جائے گا تو ڈاک کے جہاز کے وقت پہنچ جائے گا ورنہ تاخیر ہو جائے گی۔ یہ رات اعلیٰ حضرت کی اسی کرب و بے چینی میں گزری۔ علی الصباح ایک سیٹھ صاحب حاضرِ آستانہ ہوئے اور مبلغ اکیاون روپے نذر حاضرِ خدمت کیے۔ اس وقت حضور پر بہت رقت طاری ہوئی اور فرمایا، یہ یقیناً سرکار کا عطیہ ہے۔ اس لیے کہ اکیاون روپے ملنے کا مطلب ہے کہ پچاس روپے بھیجنے کے لیے منی آرڈر فیس بھی تو چاہیے۔ چنانچہ اسی وقت منی آرڈر فارم بھرا گیا اور ڈاک خانہ کھلتے ہی روانہ کر دیا گیا۔

(حیاتِ اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۱۸۱، ۱۸۲)

اس طرح کے حسن اخلاق اور خدمت خلق کے واقعات آپ کی حیاتِ مبارکہ میں جگہ جگہ ملتے ہیں۔ امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کی ہمہ جہت شخصیت کا تعارف اہلِ علم و قلم نے مختلف انداز اور مختلف طریقوں سے کرایا اور آپ کی دینی، علمی، فنی، تبلیغی، تصنیفی اور تعمیری خدمات کو منصۂ شہود پر لانے کا کام ایک حد تک انجام دیا اور ابھی بھی افکارِ رضا کی نئی جہتوں کی تلاش میں اصحاب قلم اور اربابِ دانش و بینش محوِ سفر ہیں۔ حیاتِ رضا کی مختلف جہتیں نگاہوں کے سامنے آ چکی ہیں۔ مگر آپ کے اخلاقی پہلو پر مکمل توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ تا کہ آپ کی بے مثال عادات و اطوار اور اخلاق و کردار سے دنیا متعارف ہو سکے اور لوگوں کو اس بات سے حقیقی آگاہی ہو جائے کہ علم و فن اور تحقیق و تدقیق کا یہ شہسوار اخلاق و کردار کی دنیا کا بھی بے تاج بادشاہ تھا۔

احقاقِ حق

حضور تاج الشریعہ مفتی محمد اختر رضا خان قادری ازہری دام ظلہ علینا

امام علی قاسمی دیوبندی نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمۂ قرآن ''کنز الایمان'' پر ''قرآن پر ظلم'' کے عنوان سے کئی اعتراضات کیے۔ تاج الشریعہ حضرت مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری دامت برکاتہم العالیہ نے ''دفاعِ کنز الایمان'' میں ان اعتراضات کے مفصل اور مدلل جوابات تحریر فرمائے۔

معترض نے ''قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ'' [الکہف:110] کے ترجمۂ رضویہ (ترجمہ کنز الایمان) پر بھی اعتراض کا منہ کھولا ہے۔ ترجمۂ رضویہ درج ذیل ہے: ''تم فرماؤ ظاہر صورتِ بشری میں تو میں تم جیسا ہوں''۔

معترض صاحب کو لفظ ''ظاہر صورتِ بشری'' پر اعتراض ہے، ان کی معترضانہ تحریر عنقریب آئے گی۔ سرِ دست ہمیں ان کلمات سے کام ہے جو معترض نے بہ طور تمہید کہے ہیں، معترض نے کہا: ''بریلوی فرقے کی طرف سے علمائے اہلِ سنت کے بارے میں یہ بار بار کہا جاتا رہا ہے کہ وہ پیغمبروں کی بشر اور بھائی کہہ کر توہین کرتے ہیں۔''

اقول و باللہ التوفیق: چہ خوش اپنی پردہ پوشی کا کیا خوب انداز ہے عبارت ایسی اختیار کی جو ناظرین کو خواہ مخواہ یہ وہم دلائے کہ یہ بے چارے علمائے دیوبند اس الزام سے بری ہیں۔ جی ہاں! بے شک توہین رسول تمہارا اور تمہارے اکابر کا شیوہ ہے۔ منجملہ تنقیصِ شان رسالت کے یہ بھی ہے کہ تمہارے امام الطائفہ (گروہ کے سردار) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صاف صاف بھائی کہا ہے اور جگہ محبوبانِ خدا کو تمام

انسانوں کے ساتھ عجز و نادانی میں شریک بتا کر اپنے جیسا بشر قرار دیا ہے، تقویۃ الایمان میں کہا: ''ان کو اللہ نے بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہوئے ہم چھوٹے۔'' (ص ۸۱) ''سو بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجیے۔'' (ص ۸۰) نیز کہا: ''جو بشر کی سی تعریف ہے سو ہی کرو اس میں بھی اختصار ہی کرو۔'' (ص ۸۵) نیز حضور کو ہر قوم کے چودھری اور گاؤں کے زمیندار سے تشبیہ دی، اس کی عبارت یہ ہے: ''جیسا ہر قوم کا چودھری اور گاؤں کا زمیندار اسی طرح سے ہمارے پیغمبر سارے جہاں کے سردار ہیں۔'' (ص ۸۵،۸۶) نیز اسی تقویۃ الایمان میں ہے: ''ان باتوں میں سب بندے بڑے ہوں یا چھوٹے یکساں بے خبر ہیں اور نادان۔'' نیز سب انبیا کے لیے لکھ مارا: ''سب انبیا اس (اللہ تعالیٰ) کے روبہ رو ذرۂ ناچیز سے بھی کمتر ہیں۔''

بحمدہٖ تعالیٰ معترض نے جسے یہ کہہ کر کہ: ''بریلوی فرقے کی طرف سے۔۔۔الخ'' چھپانا چاہا تھا ہم نے اسے بے نقاب کر دیا۔ خود معترض کی پردہ پوشی ان عبارات کی قباحت کی کھلی دلیل ہے۔۔۔ ع

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

لہٰذا ہمیں ان کے رد کی چنداں حاجت نہیں۔ للہ الحمد اسی منہ سے اپنے کو ''علمائے اہلِ سنت'' کہتے ہو؟ یہ منہ اور مسور کی دال

قولہ: لیکن جب بریلویوں کے مجدد ترجمہ کرتے کرتے ان آیتوں پر پہنچے جن میں پیغمبروں کو بشر اور بھائی کہا گیا ہے تو عجب کش مکش اور الجھن میں پڑ گئے کہ اگر صحیح ترجمہ کرتے ہیں تو الزام الٹ کر اپنی طرف آتا ہے اور اگر غلط ترجمہ کرتے ہیں تو اہلِ علم کو کیا منہ دکھائیں گے اس لیے درمیانی چال چلی کہ ترجمہ میں زائد الفاظ بڑھا دیے۔۔۔الخ هذیاناته

اقول: اولاً: معترض صاحب کی یہ عادت بن گئی ہے کہ دعویٰ کر دیتے ہیں اور

دلیل نہیں دیتے جیسے ان کا دعویٰ مسلمات میں سے ہو۔ یہاں بھی یہی کیا ہے کہ دعویٰ کر دیا کہ ''الزام الٹ کر اپنی طرف آتا ہے۔'' اور وجہ نہ بتائی، ہم بتائیں معترض صاحب کی یہ لیاقت علمی ہے کہ انہوں نے آیۂ کریمہ: ''قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ'' کو اپنے دعوے کی دلیل سمجھ لیا ہے جبھی تو چمک کے کہا کہ ''اگر صحیح ترجمہ کرتے ہیں تو الزام ۔۔۔۔ الخ'' حالانکہ آیۂ کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا گیا کہ تم تواضعاً فرما دو کہ میں تم جیسا ہوں نہ کہ ہمیں حکم یہ کہیں کہ حضور ہم جیسے بشر ہیں اور ہمیں یہ کیسے روا ہو سکتا ہے کہ ہم یہ کہیں جب کہ اللہ عز وجل حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کی ازواج مطہرات کے بارے میں فرماتا ہے:

''یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ'' [الأحزاب:32]

یعنی ''اے نبی کی بیبیو! تم عورتوں میں کسی کی طرح نہیں ہو۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے لیے فرماتے ہیں ''تم میں کون مجھ جیسا ہے؟'' ''لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ'' ''میں تم میں کسی کی طرح نہیں'' تو یہ خوش فہمی معترض صاحب پر الزام کی رجسٹری کر رہی ہے۔ وللہ الحمد ثانیاً: معترض نے کہا: ''اور اگر غلط ترجمہ کرتے ہیں تو اہلِ علم کو کیا منہ دکھائیں گے۔'' بحمدہٖ تعالیٰ معترض نے خود اپنے منہ قبول دیا کہ یہ ترجمہ رضویہ غلط نہیں بلکہ صحیح ہے اس لیے کہ ناظرینِ کرام پر یہ روشن کہ یہ کہنا کہ ''اگر غلط ترجمہ کرتے ہیں۔'' اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جبکہ ترجمہ غلط نہ ہو اور ہر سمجھ والے پر ظاہر کہ غلط اور صحیح کے درمیان واسطہ نہیں تو جو غلط نہ ہوگا ضرور صحیح ہوگا تو اب ناظرین کرام خود ہی سمجھ سکتے ہیں کہ معترض نے یہ کہہ کر کہ ''اس لیے درمیانی چال چلی۔۔۔ الخ'' اپنا رد خود ہی کر لیا اور اپنی سمجھ دانی سب کو کھول کر دکھا دی۔

خدا جب دین لیتا ہے
خرد بھی چھین لیتا ہے

كذالك العذاب و لعذاب الاخرة اكبر لو كانوا يعلمون

اب معترض بہادر ترجمۂ رضویہ لکھنے کے بعد یوں منہ کھولتے ہیں ''اس ترجمے پر کئی اعتراضات واقع ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ قرآنِ مجید میں ''اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ'' اصل عبارت ہے، معمولی عربی جاننے والا سمجھتا ہے کہ انما حصر کے لیے اور بشر کے معنی ''آدمی'' اور مثل کے معنی ''جیسے'' اور کُمْ کے معنی ''تم'' ہیں۔ اس لیے صحیح ترجمہ یہ ہوا: ''بس میں تمہارے جیسا آدمی ہوں۔'' اسی لیے شاہ رفیع الدین محدث دہلوی نے یہ ترجمہ کیا کہ ''سوائے اس کے نہیں کہ میں آدمی ہوں مانند تمہارے۔'' اور شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کا ترجمہ یہ ہے ''میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم۔'' ان حضرات کے علاوہ اور ترجمہ کرنے والوں نے اسی جیسا ترجمہ کیا ہے اس لیے فاضلِ بریلوی کا ظاہر صورت کی عبارت لانا اور وہ بھی بریکٹ کے بغیر بہر حال غلط ہے۔

اقول: اولاً: بالکل غلط اور مہمل ہے آپ پہلے یہ کہہ کر کہ ''اگر غلط ترجمہ کرتے ہیں تو اہلِ علم کو کیا منہ دکھائیں گے۔ اپنے منہ آپ قبول چکے ہیں کہ یہ ترجمہ غلط نہیں ہے۔ ہاں اپنی لیاقتِ علمی سے اسے درمیانی بتا رہے ہیں تو آپ کو یوں کہنا چاہیے تھا کہ ''یہ ترجمہ غلط ہے نہ صحیح ہے بلکہ درمیانی ہے۔'' یہیں سے آپ کے اعتراض کی حقیقت ظاہر کہ خود ہی اسے جھٹلا دیتے ہیں۔

ثانیاً: جناب کا تراجم کو ترجمۂ رضویہ کے غلط ہونے پر دلیل بنانا صحیح نہیں یوں کہیے کہ ترجمۂ رضویہ ان دو مشہور تراجم کے خلاف ہے تو ایک بات بھی ہوتی، مگر صاحب بہادر ہر غیر مشہور کا غلط ہونا ضروری نہیں، ہم صاوی سے اس کی مثال دے چکے۔

ثالثاً: ترجمۂ رضویہ کے غلط ہونے کی دوسری وجہ بیان کی ہے کہ ''ترجمے میں زائد الفاظ بڑھا دیے'' اور اسی کی دلیل آیتِ کریمہ کے مفردات کے معانی بیان کر

کے دی ہے۔ سبحان اللہ! آپ عربی بھی پڑھانے لگے؟

یہ منہ اور مسور کی دال۔۔۔!

پھر اس عربی پڑھانے میں کیسی صریح غلطی کی کہ کُمْ کے معنی ''تم'' جی اگر کُم کا معنی ''تم'' ہے تو ''تمہارے'' کس کا ترجمہ ہے؟ یہیں سے ظاہر کہ جناب کو معمولی عربی بھی نہیں آتی کہ سمجھ لیتے کہ کُم یہاں محلِ جر میں مضاف الیہ ہے تو اس کا ترجمہ ''تمہارے'' ہوا نہ کہ ''تم''

اقول و باللہ التوفیق۔ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ ''ظاہر صورتِ بشری'' کلام پر زائد ہے اس لیے کہ یہ ظاہر کہ ''اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ'' (میں تم جیسا بشر ہوں۔) میں تشبیہ ہے اور تشبیہ کے ارکان چار ہیں مشبہ، مشبہ بہ، اداۃِ تشبیہ اور وجہِ تشبیہ۔ اب ''میں تم جیسا بشر ہوں'' میں 'بشریتِ حضور ﷺ' مشبہ اور 'لوگوں کی بشریت' مشبہ بہ اور 'جیسا' اداۃِ تشبیہ ہے، رہی وجہِ تشبیہ تو وہ لفظ میں موجود نہیں بلکہ محذوف ہے اور محذوف حقیقت میں لفظ ہے۔ شرح جامی ہے: والمحذوف لفظ حقیقۃ۔۔۔الخ (اور محذوف حقیقۃً لفظ ہے) معترض صاحب! اب بتائیں کہ یہ ترجمہ میں زیادتی ہوئی یا اس محذوف وجہِ تشبیہ کا اظہار ہوا جو جزوِ تشبیہ ہے اور جس کے بغیر کلام صحیح نہیں۔ اسی منہ سے عربی پڑھانے چلے تھے، پھر یہ کہ آیتِ کریمہ میں ''بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ'' خود اس وجہِ تشبیہ کے محذوف ہونے پر قرینہ ہے جو یہ سمجھا رہا ہے کہ تشبیہ ظاہر بشریت میں ہے کہ باطن و روح میں مگر سمجھنے کا قرینہ تو چاہیے۔ معترض صاحب! اب بتائیں کہ جب کہ وجہِ تشبیہ یہاں ضروری اور اس پر خود قرینۂ لفظیہ موجود تو شاہ رفیع الدین و شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ترجمے میں اور ترجمۂ رضویہ میں سوائے اس خصوصیت کے کہ ترجمۂ رضویہ میں وجہِ تشبیہ صراحۃً مذکور ہے اور ان دو میں نہیں کیا فرق ہوا۔ ولکن الوھابیۃ قوم یجھلون۔

یہ تو اس صورت پر تھا جب بشریت حضور ﷺ کو مشبہ بنائیں اب اگر کہو کہ بشر خود معنی وجہ تشبیہ ہے تو اس صورت میں ''ظاہر صورت بشری'' اس وجہ تشبیہ کی تفسیر ہوگی کہ یہاں بشریت میں تشبیہ محض باعتبار ظاہر اور اعراض بشری کے ہے نہ کہ بہ اعتبار کل وجوہ کے بلکہ ذہین و فطین پر روشن کہ یہ بشر کے وجہ تشبیہ ہونے کی طرف اشارے کے ساتھ اس کے معنی کا بہ طرزِ لطیف بیان بھی ہے اس لیے کہ بشر میں ظہور ملحوظ ہے۔ شرح شفا میں ہے: ''وسموا بشرا الظھور جلودھم لان البشرۃ ظاھر الجلدی'' (یعنی، انسان کو بشر اس کے جلد کے ظاہر ہونے کی وجہ سے کہتے ہیں۔) اس لیے کہ بشر ظاہر جلد ہے تو اسے زیادتی کہنا زیادتی ہے۔ کوئی معقول آدمی ہوتا تو امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کا شکر گزار ہوتا کہ ایسا ترجمہ فرمایا کہ جس نے شبہات کا ازالہ کر دیا اور اس خصوصیت کو سمجھتا کہ ان کا ترجمہ ترجمہ ہی نہیں بلکہ مختصر اور جامع تفسیر بھی ہے جو اس کے دیکھنے والوں کو بڑی بڑی کتابوں میں دیدہ ریزی کی مشقت سے بچا لیتی ہے مگر معترض صاحب سے اس کی کیا امید۔۔۔ع

دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھ

اب چلو میں تمہارا جی رکھنے کو یہ تسلیم کر لوں کہ تمہارے یہ قول ترجمے میں زائد الفاظ بڑھا دیے، مگر اے عقلمند! ہر زیادتی ناجائز نہیں ہوتی۔ زیادتی وہ ناجائز ہوتی ہے جس پر کوئی دلیل نہ ہو اور جس پر صحتِ کلام موقوف ہو وہ حقیقت میں زیادتی ہی نہیں چہ جائیکہ ناجائز ہو اور یہاں تم جسے زیادتی سمجھتے ہو وہ زیادتی ضروری ہے اور خود اس کی ضرورت اس کی دلیل ہے۔ اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ حضور ﷺ سے فرماتا ہے ''اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ'' (تم فرما دو! میں تم جیسا بشر ہوں) اور حضور کی ازواج مطہرات سے فرمایا ''یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ نبی'' (ازواج مطہرات) ہو کر ملی وہ کسی کی طرح نہ ہوں اور خود حضور ﷺ نے فرمایا:

''لَسْتُ کَھَیْئَتِکُمْ'' (میں تمہاری ہیئت پر نہیں۔) ''لست کاحد منکم'' (میں کسی [انسان] جیسا نہیں) ''ایکم مثلی'' (تم میں کون مجھ جیسا ہے) تو کیا کوئی یہ کہے گا کہ سرکار نے بشریت کا انکار فرما دیا، والعیاذ باللہ ہرگز نہیں، تو پھر اس تعارض کا کیا تدارک ہوگا ظاہر کہ یہاں ترجیح کی طرف راہ نہیں تو لامحالہ تطبیق ضروری اور وہ اسی طرح ہوگی کہ مثلیت کا اقرار باعتبار ظاہر جسمیت و اعراض کے ہو اور مثلیت کا انکار بہ اعتبار باطن و روحِ محمدی (ﷺ) کے ہو۔ دور کیوں جاؤ اسی آیت کو لے لو جسے تم لوگ بشر کہنے کی دلیل بنائے ہوئے ہو خود اس میں اس پر دلیل موجود ہے، ہم سے سنو: ''قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ'' کے متصل ہی فرمایا گیا: ''یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ'' (میری طرف وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہے) یہ ارشاد خود فرق کی روشن دلیل ہے اور اس وجہِ تطبیق کی طرف راہ نما ہے جو امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے ''ظاہر صورتِ بشری'' فرما کر افادہ فرمائی اس لیے کہ یہ ظاہر کہ وحی ایسا باطنی امر ہے کہ اس کی خبر ماوشما کو تو کیا ہوتی صحابۂ کرام نے بھی اس سے تو خود وحی لانے والے جبریل امین (علیہ السلام) بھی بے خبر ہیں۔ قال تعالیٰ: ''فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی'' (تو اللہ نے اپنے بندے محمد (ﷺ) کی طرف وحی کی، جو وحی کی) آیت کریمہ میں عبدہ سے مراد حضور ﷺ ہیں اور ''اَوْحٰی'' کی ضمیر اسمِ جلالت کی طرف راجع ہے۔ کما افادہ فی اشفاء عن جماعۃ من المفسرین وایدہ تو جب وحی ایسا باطنی امر ہے تو لامحالہ اس باطن کے لیے اسی جیسا باطن سرکار ﷺ کے لیے ضروری جو تمام بشر کے بواطن سے اعلیٰ ہو اور جب وہ باطن سرکار ﷺ کے لیے ثابت تو حضور ﷺ کا اپنے اس باطن و روح کے اعتبار سے بشر سے جدا ہونا ضروری امر ہوا اور تشبیہ محض بہ اعتبار ظاہر کے رہ گئی اسی کو حضور ﷺ نے فرمایا: ''یَا اَبَا بَکْرٍ لَمْ یَعْرِفْنِیْ حَقِیْقَۃً غَیْرُ رَبِّیْ'' کذا فی مطالع المسرات

(اے ابوبکر! میری حقیقت کو سوائے میرے رب کے کسی نے نہ جانا) اور یہی مراد ہے حضور ﷺ کی اس فرمان سے جو ارشاد ہوا کہ ''لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَّ لَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ'' (اللہ کے ساتھ میرا ایک وہ وقت ہے جس میں نہ کسی مقرب فرشتے کی گنجائش نہ کسی نبیِ مرسل کی مجال) اس پر ''شرح شفا'' میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان واجب الاذعان سننے کے قابل ہے، فرمایا: ''والتحقیق ان المراد بالنبی المرسل ذاتہ الا کملفانہ فی مقام جمع الجمع یفنی عن ذاتہ و مقاماتہ'' یعنی تحقیق یہ ہے کہ مرادِ نبی مرسل سے حضور ﷺ کی ذاتِ کاملہ ہے اس لیے کہ حضور مقام جمع الجمع میں اپنی ذات و مقامات سے فنا ہو کر اللہ کی ذات و صفات کے مشاہدے میں مستغرق ہو جاتے ہیں۔) علامہ علی قاری کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ سرکارِ ابد قرار علیہ افضل الصلاۃ والسلام کے لیے ایک ایسا مقام بھی ہے جہاں خود انہیں کی بشریت حاضر نہیں ہوتی بھلا جس کا باطن ایسا ارفع و اعلیٰ ہو اس میں سوائے مشابہت ظاہر کے اور کیا متصور ہو۔ اسی لیے علمائے کرام نے مشابہت صرف حضور ﷺ کے ظاہر میں رکھی وہ بھی بایں معنی کہ حضور پر بعض اعراض و امراض بشری طاری ہوئے ہیں نہ کہ حسن و صورت میں کہ وہ تو سب سے اعلیٰ ہے اور جس طرح ان کا باطن سب سے ارفع ہے اسی طرح تمام انبیا کے بواطن تمام بشر سے اعلیٰ ہیں، شفا میں ہے:

''فظو اھرھم و جسادھم بیتھم متصفۃ باوصاف البشر طاری علیھما ما یطرا علی البشر من الاعراض والاسقامو لموت والفناء ولغوت الانسانیۃ و ارواحھم بواطنھم متصفۃ باعلیٰ من اوصاف البشر متعلقۃ بلملاءِ الاعلیٰ متشبھۃ بصفات الملٰئکۃ سلیمۃ من التغیر و الأفات لا یمحقھا غالبا

عجز الشرية و لا ضعف الانافيهة---الخ"

انبیا کے ظواہر اوران کے اجسام اوصاف بشری سے متصف ہیں ان پر وہ طاری ہوتا ہے جو بشر پر طاری ہوتا ہے یعنی اعراض وامراض وموت اور انسانی احوال اوران کی ارواح وبواطن ان اوصاف سے متصف ہیں جو بشر کے اوصاف سے اعلیٰ ہیں اور صفاتِ ملائکہ کے مشابہ ہیں تغیر وآفات سے محفوظ ہیں کہ انہیں عجز وبشرت اور ضعف انسانیت لاحق نہیں ہوتا۔) "نسیم الریاض شرح شفا" میں ہے: (فجعلوا من جهة الاجسام والظواهر مع البشر) ای موافقين لهم فی صورتها (ومن جهة الرواح والبواطن مع الملائكة) أى متصفين بصفاتهم و هذا دليل على أن ظاهره كما صر حوا به ولايقاس عليه غيره من الأمة كما توهم و توضوه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم استحبابا أو تعليمات لامته او لعروض مايقتضيه" نیز اسی میں ہے: "لانه ﷺ بشرى الظاهر ملكوتى لا يتحلى باحوال البشر كعد الياقوت من الاحجار" (انبیائے کرام اپنے ظواہر واجسام کی جہت سے بشر کے ساتھ کیے گئے یعنی ظاہر صورتِ بشری میں بشر کے مشابہ ہوئے اور اپنی ارواح وبواطن کی جہت سے ملائکہ کے ساتھ رکھے گئے یعنی ان کی ظاہر سے متصف ہوئے اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ حضور ﷺ کا ظاہر بشری ہے اور باطن ملکوتی ہے اسی لیے علما نے کہا کہ حضور ﷺ کی نیند ناقضِ وضو نہیں اور آپ پر دوسروں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ کسی کو وہم ہوا اور نیند سے حضور ﷺ کا وضو فرمانا استحبابی امر ہے یا امت کو تعلیم کے لیے ہے یا کسی ایسے امر کا عارض ہونا ہے جو وضو کا مقتضی ہے اس لیے کہ حضور ﷺ ظاہر میں بشری ہیں باطن میں ملکوتی ہیں اور آپ بشری احوال سے اسی وقت متصف ہوتے ہیں جب اللہ تعالیٰ انہیں حکم دیتا ہے تاکہ امت ان کی ریت پکڑے اوران خصالِ حمیدہ سے مشرف ہو جو اللہ نے حضور

ﷺ کے لیے پسند فرمائے تو حضور ﷺ کو بشر میں شمار کرنا ایسا ہے جیسا کہ یاقوت کو پتھر میں گننا۔)

ناظرینِ کرام! دیکھیں کہ ان عبارتوں سے کیسا روشن کہ تشبیہ محض ظاہر کے اعتبار سے ہوسکتی ہے اور باطن کے اعتبار سے نہیں ہوسکتی۔ معترض بہادر! یہ سنتے چلیں کہ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کا وہ ترجمہ جسے انہوں اُردو کے ترجمے کی بنا پر غلط بتایا تھا وہ علما کے نزدیک نہ صرف یہ کہ صحیح ہے بلکہ ایسا مشہور ہے کہ محتاجِ بیان نہیں تو وہ جو ہم نے کہا تھا کہ ہر غیر مشہور غلط نہیں ہوتا محض تنزل تھا اور اُردو کے ترجموں کی ہی حد تک تھا۔ نیز ان ارشادات کے پیشِ نظر ترجمۂ رضویہ کو دیگر تراجم پر فوقیت ظاہر جیسا کہ پہلے بیان کر آئے تو اس مقام پر دیگر تراجم کو لانا جہل ہے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

معترض میں ہمت ہے تو اب ان علما کو وہ الزام دے جو سرکار امام احمد رضا کو دیے کوئی بعید نہیں کہ انہیں بھی کہنے کی جرأت کر بھاگو، مگر پہلے اپنوں کی تو خبر لو۔ سنو! یہ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کیا فرمارہے ہیں: "وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی" کے تحت تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں: "یعنی البتہ ہر حالت آخر بہتر باشد تر از معاملت اول تا آنکہ بشریت ترا اصلاً وجود نہ ماند وغلبۂ نورِ حق بر تو علیٰ سبیل الدوام حاصل شود" اھ (ہر آیندہ حالت تیرے لیے معاملۂ گزشتہ سے بہتر ہوگی یہاں تک کہ تیری بشرت کا اصلاً وجود نہ رہے اور ہمیشہ کے لیے تیرے اوپر نورِ حق کا غلبہ ہو۔) معترض صاحب! یہ تو بہت اونچی ہوگئی، آپ نے تو امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کو محض اتنی سی بات پر کہ انہوں نے "ظاہر صورتِ بشری" فرمادیا یہ الزام دے دیا کہ معاذ اللہ سرکار ابد قرار علیہ التحیۃ والثناء امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خدا ہیں، چنانچہ آپ لکھتے ہیں: دوسرے "ظاہر صورت بشری" میں تو پیارے پیغمبر

دوسرے انسانوں کی مانند انسان ہیں حقیقت میں کیا ہیں یہ نہیں بتلایا اگر انسان کے علاوہ فرشتہ یا کوئی دوسری مخلوق مانا جائے تو توہین ہوتی ہے کیونکہ انسان تمام مخلوقات سے درجے میں بلند ہے اس لیے سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ حضور ﷺ ظاہر میں بشر ہیں حقیقت میں خدا ہیں ۔۔۔(الخ)" ساون کے اندھے کو ہرا ہی ہرا نظر آتا ہے، کافر سب کو کافر ہی سمجھتا ہے مگر شاہ صاحب تو معترض کے طور پر بشریت حضور ہی سے منکر ہو گئے۔ اب انہیں بھی یہی الزام دے ورنہ ان کے بچاؤ کی کیا تدبیر ہے، بتایئے؟

یوں نظر دوڑے نہ برچھی تان کر
اپنا بیگانہ ذرا پہچان کر

ابھی کلیجہ ٹھنڈا نہ ہوا تو اور سینے، یہ مولوی ذوالفقار علی دیوبندی "قصیدۂ بردہ" کی "شرح عطر الوردۃ" میں رقم طراز ہیں:

مُنَزَّہٌ عَنْ شَرِیْكٍ فِیْ مَحَاسِنِہٖ
فَجَوْہَرُ الْحُسْنِ فِیْہِ غَیْرُ مُنْقَسِمٖ

"جناب رسالت مآب ﷺ اس عیب سے پاک ہیں کہ ان کی خوبیوں میں بالذات اور کوئی ان کا شریک ہو بلکہ تمام خوبیوں کے آپ مستقل مالک ہیں اوروں میں جو خوبیاں ہیں آپ کی خوبیوں کا ظل ہے کیونکہ وہ آپ ہی سے مستفادہ ہیں۔۔۔(الخ)"

معترض صاحب! یہ تو تمہیں اور کڑوی لگنی چاہیے کہ اس میں تو سرے سے تشبیہ ہی کی نفی ہے مگر دیوبندی کی شرم رکھنے کو کچھ فتویٰ صادر نہ کرو گے۔ یہی ذوالفقار علی اس کتاب کے آخر میں اپنے قصیدۂ نعتیہ میں کہتے ہیں۔۔۔ ع

مامثل احمد فی الوجود کریما

"حضور ﷺ کے مثل وجود میں کوئی کریم نہیں۔"

ظاہر ہے کہ کرم ایک باطنی وصف ہے جس میں حضور کے مثل کی نفی کی ہے، اللہ انصاف! جب حضور ﷺ کے وصفِ باطنی میں کوئی آپ کا مثل نہیں تو اب مثلیت سوائے ظاہر کے کاہے میں رہ گئی؟ کیوں معترض بہادر! اب کیا یہی ٹھہرائی ہے کہ ہم کہیں تم نہ کہو۔ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

آگے "میلادِ گوہر" کے اشعار نقل کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں کہ:

"ان شعروں میں رسول اللہ ﷺ کو خدا کا اوتار ظاہر کیا گیا ہے۔
اگر امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ اس کو تسلیم کرتے تو انہوں نے ترجمہ میں "ظاہر صورت" کے الفاظ کیوں بڑھائے۔"

بحمدہ تعالیٰ! ہم نے ثابت کیا کہ "ظاہر صورت" کی قید ضروری جس پر صحتِ کلام موقوف ہوا اور اسی سے آیات و احادیث کے درمیان تطبیق حاصل اور اپنے مفید مطلب عبارات خصوصاً شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان واجب الاذعان اور آخر میں ذوالفقار علی دیوبندی کی عبارت پیش کی، کسی کے خلاف شرع شعر سے امام احمد رضا پر کیا الزام۔

نہ اس "ظاہر صورت" کی قید سے مذکورہ اشعار کا تسلیم کرنا لازم ہے تو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور اس دیوبندی سے بھی پوچھے کہ، اے شاہ صاحب! اگر تم ان کو تسلیم نہیں کرتے تو تم نے کیوں کہا کہ "تیری بشریت کا اصلاً وجود نہ رہے۔" اور اے دیوبندی صاحب! تم نے حضور کے مثل کی نفی کیوں کی۔ معترض بہادر! پھر بے دیکھے تیر چلا گئے

تنبیہ: میلادِ گوہر سے معترض نے یہ شعر بھی نقل کیا:

ادب سے زباں تھام کر رہ گیا میں
حبیب خدا کو خدا کہتے کہتے

اس شعر میں کوئی حرج نہیں اس سے معترض کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا تو اسے ذکر کرنا طرفہ جہالت ہے۔ نیز اس شعر کو بھی معترض نے جائے اعتراض میں رکھا ہے جو یہ ہے۔

ندا تھی کہ سرکار تشریف لاؤ
دو عالم کے مختار تشریف لاؤ

یہ شعر ہمارے نزدیک صحیح ہے۔ وہابیہ نہ مانیں تو ہماری بلا سے جہنم میں جائیں۔ پھر لکھتے ہیں: ''اگر کوئی صاحب کہہ دیں کہ ''ظاہر صورت'' اس لیے بڑھایا گیا ہے تا کہ کوئی دھوکہ نہ کھا جائے کہ پیغمبر ﷺ، خدا کی پناہ، بالکل دوسرے انسانوں کی مانند کمالات سے خالی ہیں۔ یہ کہنا جہالت ہے کیوں کہ جن کا قرآنِ مجید پر ایمان ہے وہ آپ کے فضائل پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور جن کا ایمان نہیں ان کے لیے یہ وضاحت بے کار ہے۔''

اقول: اوّلاً: ہرگز بے کار نہیں اس لیے کہ ایمان والوں میں زیرک و نادان سبھی ہیں اور نادان کے لیے یہ وضاحت ضروری اگر چہ زیرک کے لیے ضروری نہیں اور بے ایمان کے لیے یہ قید اس کے منہ میں لگام لگانے کے لیے ہے۔

ثانیاً: معترض نے خود ہی صاف کہہ دیا کہ قرآن مجید پر ایمان رکھنے والے وہی ہیں جن کا فضائلِ حضور ﷺ پر ایمان ہے۔ معترض بہادر! اسماعیل دہلوی تو سب بندوں کو بڑے یا چھوٹے عجز و نادانی میں برابر کہہ چکے اور یہ کہہ کر فضائلِ نبی سے مکر چکے اور تم خود قبول کر چکے کہ ''جس کا قرآنِ مجید پر ایمان ہے۔۔۔الخ'' تو بولو! تم اور تمہارا امام بے ایمان ہوئے کہ نہیں پھر کس منہ سے کہتے ہو: ''جس کا قرآنِ مجید پر ایمان ہے۔۔۔الخ'' لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم آگے کہتے کہ ''سوال ہوتا ہے کہ اگر ترجمے میں صرف بشر لے آتے تو حرج کیا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بشر کہنا کافروں کا طریقہ بتا چکے ہیں۔۔۔الخ''

اقول: جی کافروں کا طریقہ نہیں تو آپ کے نزدیک مومنوں کا طریقہ ہوگا۔ ذرا بتائیے کونسی آیت، کون سی حدیث میں آیا ہے کہ مسلمانوں نے سرکار ﷺ کو اپنے جیسا بشر کہا؟ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴿۱۱۱﴾

پھر لکھا: ''رسولِ اکرم کو صفاتِ خداوندی کا مظہر اور کائنات و جنت و دوزخ، رزق و خیر کا مالک و قاسم بتا چکے ہیں اور حضور کو اپنا مجازی رب اور اپنے کو ان کا بندہ کہہ چکے ہیں۔۔۔الخ''

قولہ: ''اور رسولِ اکرم کو صفات خداوندی کا مظہر'' اللہ! اللہ! یہ قلم خود توحید پرستوں کو حضور کے مظہر الٰہی ہونے پر بھی اعتراض ہے جن کی یہ شان ہے کہ ''مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ'' (جس نے مجھے دیکھا اُس نے اپنے اللہ کا جلوہ دیکھا۔) معترض بہادر! اگر بندے کا مظہر صفاتِ الٰہی ہونا ناجائز تو ''تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ'' (اللہ کے اخلاقِ حمیدہ سے آراستہ ہو جاؤ)۔ کا کیا مطلب ہوگا اور مشکوٰۃ کی اس مشہور حدیث کا کیا معنی بیان کیا جائے گا جس میں وارد ہوا: ''ولا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبّہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ و بصرہ الذی یبصربہ ویدہ التی یبطش بہا ور جلہا التی یمشی بہا'' (بندہ مجھ سے نوافل کے ذریعے نزدیکی چاہتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے چاہتا ہوں تو جب میں اسے چاہتا ہوں تو اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ کام کرتا ہے پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔) اللہ کے کان، آنکھ، ہاتھ، پیر نہیں تو سوائے اس کے کیا کہیے گا کہ بندہ اللہ کی صفات سمع و بصر و قدرت کا مظہر ہو جاتا ہے۔ اچھا معترض بہادر! ہماری نہ مانو تو اپنے امام (اسماعیل دہلوی قتیل) کی سنو، وہ ''صراطِ مستقیم'' میں رقم طراز ہیں: ''پس صفات اگر چہ فی حد ذاتہا مستغنی از

مظاہرا است لیکن بنا بر اقتضائے حکمتِ الٰہیہ باوجود استغنا در مظاہر مختلفہ کہ عبارت از مخلوقات است ظہور نمودہ۔۔۔الخ" ملتقطاً۔

لو! تم تو حضور ﷺ کو اللہ کے صفات کا مظہر کہنے پر معترض ہو امام الطائفہ (اسماعیل دہلوی قتیل) نے تو ساری مخلوق کو مظاہرِ صفات کہہ دیا، ہماری تائید ہوئی۔ وللہ الحمد معترض بہادر! اب امام الطائفہ کو کیا کہتے ہیں۔

کذالک العذاب ولعذاب الاخرة اکبر لو کانو یعلمون۔

قولہ: "اور کائنات و جنت و دوزخ، رزق و خیر کا مالک و قاسم۔۔ ہیں۔۔۔الخ" بے شک حضور ﷺ مالک و قاسم ہیں، ان کے رب نے انہیں مالک بنایا۔ قال تعالیٰ: "اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ ﴿١﴾" (بے شک اے محمد ﷺ! ہم نے تمہیں خیر کثیر عطا فرمائی۔) "مدارج النبوۃ" میں فرمایا: "مراد بداں خیر کثیر است در دنیا و آخرت۔۔۔الخ" (مراد اس سے دنیا و آخرت کی کثیر نعمتیں ہیں۔)

رہی یہ بات کہ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ اپنے کو حضور ﷺ کا بندہ لکھ چکے ہیں تو یہ بے شک صحیح ہے۔ یقیناً ہر اہلِ ایمان کے لیے بندۂ سرکارِ مدینہ ہونا فخر ہے مگر اس سے نتیجہ نکالنا کہ خود کو ان کا بندہ کہنا معاذ اللہ انہیں خدا کہنا ہے، یہ معترض اور اس کی جماعت کی عقل کے شایان ہے، قرآن میں ہمارے غلاموں کو ہمارا بندہ فرمایا گیا: "وَاَنْكِحُوا الْاَیَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ" تم میں جو عورتیں بے شوہر ہیں ان کو بیاہ دو اور تمہارے بندوں اور باندیوں میں جو لائق ہیں ان کا نکاح کر دو۔) معترض بہادر! اب یہی الزام خدا کو دو۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

اور حضور ﷺ فرماتے ہیں: "لَیْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ فِیْ عَبْدِهٖ وَلَا فَرَسِهٖ صَدَقَةٌ" (مسلمان پر، اس کے بندے اور اس کے گھوڑے پر زکوٰۃ نہیں۔) یہ

حدیث صحیح بخاری، صحیح مسلم اور باقی سب صحاح میں ہے۔ امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مجمعِ صحابہ میں، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ کو جمع فرما کر اعلانیہ برسرِ منبر فرمایا: "کنت مع رسول اللہ ﷺ وکنت عبدہ وخادمہ" (میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا، میں حضور ﷺ کا بندہ تھا اور حضور ﷺ کا خدمت گار تھا۔) یہ حدیث وہابیہ کے امام الطائفہ اسماعیل دہلوی کے دادا اور زعم طریقت میں پردادا جناب شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے "ازالۃ الخفاء" میں بہ حوالہ ابو حنیفہ و کتاب "الریاض النضرۃ" لکھی اور اس سے سند لی اور مقبول رکھی۔ "مثنوی شریف" میں قصۂ خریداری بلال رضی اللہ عنہ" میں ہے: "سیدنا صدیقِ اکبر نے حضور پر نور ﷺ سے عرض کی۔

گفت ما دو بندگانِ کوے تو
کردمش آزاد ہم بر روے تو

اللہ فرماتا ہے: "قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿٥٣﴾"

(اے محبوب! تم اپنی تمام امت سے یوں خطاب فرماؤ کہ: اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ بے شک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے، بے شک وہی ہے بخشنے والا مہربان۔)

حضرت مولویِ معنوی قُدِّس سِرُّہ "مثنوی شریف" میں فرماتے ہیں۔

بندۂ خود خواند احمد در رشاد
جملہ عالم را بخواں قل یعباد

طرفہ یہ کہ وہابیہ کے حکیم الامت اشرف علی تھانوی "حاشیہ شمائم امدادیہ" میں

قرآنِ کریم کا یہی مطلب ہونے کی تائید کر گئے کہ تمام جہان رسول اللہ ﷺ کا بندہ ہے۔ معترض بہادر! حضور ﷺ اور حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اور مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کو بھی کیا شرک کا الزام دیں گے؟ نیز شاہ ولی اللہ صاحب کو کیا کہیں گے؟ اور اپنے حکیم الامت تھانوی صاحب کے لیے کیا کہیں گے؟ اور سنیں محمود حسن دیوبندی، رشید احمد گنگوہی کے لیے کہہ رہے ہیں۔۔۔ ع

عبید سود کا ان کے لقب تھا یوسف ثانی

(مرثیۂ گنگوہی)

یعنی رشید احمد گنگوہی کے کالے غلام بھی یوسف ثانی ہیں، ان کے لیے بھی جواب سوچ رکھیں۔ آگے معترض صاحب بہادر منہ کھولتے ہیں: ''اور بعض معتقد تو کھلے طور پر بشریت سے انکار کر چکے ہیں۔ اسی گروہ کے ہمنوا ''راز الہ آبادی'' کہتے ہیں۔

تجھے کہہ سکوں بشر میں یہ کہاں مری حقیقت
میں زمیں پہ مر رہا ہوں تیری عرش تک رسائی

بہت برے ہیں وہ لوگ جو حضور ﷺ کی بشریت کے منکر ہیں، خارج از اسلام ہیں، وہ ہمارے گروہ میں سے نہیں، ہم اہلِ سنت نہ بشریتِ مصطفیٰ ﷺ کے منکر ہیں اور تمہاری طرح نہ انہیں ایسا بشر کہنے کے قائل جو عجز و نادانی میں دوسروں کے برابر ہو۔ ہمارے نزدیک دونوں مردود جوان کی بشریت کا منکر ہو، وہ بھی اور جو انہیں اپنے جیسا کہے وہ بھی لیکن معترض بہادر! آپ نے دعوے پر بطورِ سند جو شعر پیش کیا ہے اس کے بارے میں صرف اتنا کہنا ہے کہ اگر یہ انکار بشریت ہے تو شاہ صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا کہ ''تیری بشریت کا اصلاً وجود نہ رہے۔'' بدرجۂ اولیٰ انکار ہوگا۔ حالا چہ می گوئید علمائے ملت دیوبندیہ آگے پھر جناب نے ماہر القادری کے دو شعر نقل کیے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

محمد مصطفیٰ کی شان رفعت اور ہی کچھ ہے
بظاہر تو بشر ہیں اور حقیقت اور ہی کچھ ہے
پردۂ میم ہٹ گیا وصل حبیب ہو گیا
نور سے نور جا ملا صل علیٰ محمدِ

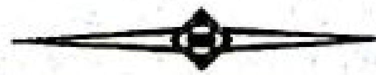
پہلا شعر ہمارے نزدیک بالکل درست ہے اور اقوال علما کا جو ابھی گزرے عین مفاد ہے۔ ہاں! دوسرا شعر البتہ ابہام سے خالی نہیں ضرور خلاف احتیاط ہے، جس سے بچنا ضروری وَاللّٰہُ سُبْحٰنَہٗ وَ تَعَالٰی اَعْلَمُ۔

پھر لکھتے ہیں: ''ان لوگوں نے ذاتی وعطائی کی منطق کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کو صفاتِ خداوندی کے درجے تک پہنچا دیا ہے۔۔۔الخ'' معترض بہادر! شروع سے آخر تک یہی الزام طرح طرح سے دہرائے جا رہے ہیں کہ معاذ اللہ! رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں کے نزدیک خدا ہیں اور ہر مرتبہ ناکام ہوئے اور وہ الزام خود اپنے سر لاد چکے ہیں۔ اب کہ نئی صورت میں یہ الزام دیا ہے اور اس مرتبہ بھی عقل کو ہاتھ سے دیا ہے۔ صاحب بہادر! اللہ کی کوئی صفت عطائی نہیں کہ کسی کی دین ہو اس کی ہر صفت ذاتی ہے تو عطائی کو بھی اللہ کی صفت کہنا یہ وہ شرک ہے جس سے تم اپنے زعم میں بھاگے تھے۔ یہ دیکھو وہ تمہارے سر پر آ رہا کیونکہ جب اللہ کی صفت بھی عطائی ٹھہری اور عطائی غیر کی دین ہوتا ہے تو لازم ہو کہ اللہ سے اوپر بھی کوئی ہو جس نے اسے صفات بخشیں۔ والعیاذ باللہ العلی العظیم اور یہ عین شرک اور قاطع توحید ہے۔ ع

لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

ذاتی اور عطائی کی تقسیم صحیح ہے۔



DNA کے بارے میں چشم کشا حقائق

پروفیسر مفتی منیب الرحمن

گزشتہ سال اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان نے قرار دیا کہ DNA کی فارنزک لیبارٹری رپورٹ کو حدِ زنا جاری کرنے کے لیے حتمی اور قطعی شہادت (Absolute Evidence) کے طور پر تسلیم نہیں کیا جا سکتا، اس کے لیے عینی شہادت (Eye Witness) کا مطلوبہ شرعی معیار لازمی ہے، البتہ اسے ظنی شہادت، قرائن کی شہادت اور تائیدی شہادت کے طور پر لیا جا سکتا ہے اور عینی شہادت کی عدم دستیابی کی صورت میں عدالت مطمئن ہو تو تعزیراً سزا دے سکتی ہے۔ اس پر ہمارے آزاد الیکٹرانک میڈیا، لبرل عناصر نے کہرام مچا دیا، ان میں حقوقِ نسواں اور حقوقِ انسانی کے نام پر تنظیمیں چلانے والی NGOs اور دیگر فعال عناصر سب شامل ہیں۔ چونکہ مغربی ممالک کی اقدار کے پرچارک ان طبقات کو زنا بالرضا (Adultery) پر کوئی اعتراض نہیں ہے، اس لیے ان کا اصرار ہے کہ زنا بالجبر (Rape) کے ثبوت کے لیے DNA کا لیبارٹری ٹیسٹ اگر مثبت آ جائے تو اسے حتمی اور قطعی شہادت قرار دے کر اس جرم کے مرتکب پر سزائے موت جاری کر دی جائے۔

میں 12 تا 30 جنوری امریکہ کے دورے پر تھا اور مختلف ریاستوں میں دوستوں نے دینی پروگرام ترتیب دے رکھے تھے، نیوجرسی اسٹیٹ سے جماعت اہلسنت نارتھ امریکا کے رہنما علامہ مقصود احمد قادری یہ پروگرام ترتیب دیتے ہیں، ان میں ایک پروگرام ٹینیسی اسٹیٹ کے شہر نیو جانسن سٹی میں جناب ڈاکٹر شہرام ملک کے مکان پر ہوتا ہے، جو دین دار، علم دوست اور مہمان نواز شخص ہیں۔ یہ ڈاکٹر

صاحبان اور اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات کا ایک حلقہ احباب ہے جو کافی دور دور سے سفر کر کے یکجا ہوتے ہیں۔ چونکہ تعلیم و تعلّم ہمارا مشن ہے، اس لیے اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات کے ساتھ مجلس کا انعقاد اور تبادلۂ خیال بے حد مفید ثابت ہوتا ہے، ان میں کئی احباب میاں بیوی دونوں ڈاکٹر ہوتے ہیں۔ ممتاز عالمی شہرت یافتہ آئی سرجن جناب ڈاکٹر خالد اعوان اس حلقۂ احباب کا نقطۂ اتصال ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا قرآن وحدیث کا وسیع مطالعہ، یادداشت اور استدلال قابلِ رشک ہے۔ وہ راسخ العقیدہ ہیں، محض روایتی اور نسلی مسلمان نہیں ہیں کہ مسلم گھرانے میں پیدا ہوئے اور وراثت میں اسلام کی نعمت بھی مل گئی، بلکہ اُس خوش نصیب طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جنہوں نے اسلام کو پڑھا، سمجھا اور شعوری طور پر قبول کیا اور عمل بھی کیا۔ ان کے اپنے شعبۂ طب Opthalmology میں ان کے 250 سے زیادہ ریسرچ پیپرز معتبر عالمی طبی جرائد میں طبع ہو چکے ہیں۔ امراضِ چشم کے علاج کے حوالے سے ان کی ایک تحقیق ''Awan Syndrome'' کے عنوان سے ان کے نام سے منسوب ہے اور بلاشبہ یہ ایک بڑا اعزاز ہے، اسی طرح لیزر ٹیکنالوجی سے جو آنکھوں کا علاج ہوتا ہے، ان میں سے بھی ایک خاص ''لیزر'' کے موجد چونکہ ڈاکٹر خالد اعوان ہیں، اس لیے یہ بھی ان کے نام سے منسوب ہے۔ امریکا اور دیارِ مغرب میں مقیم قابلِ فخر کارنامے انجام دینے والے ایسے پاکستانیوں کو قومی اعزاز کے لیے منتخب کیا جانا چاہیے اور امریکا میں مقیم پاکستانی صحافیوں کو ایسے لوگوں کی نشاندہی کرنی چاہیے۔

میں ایک عرصے سے متلاشی تھا کہ آیا امریکا اور یورپی ممالک میں DNA ٹیسٹ کی مثبت رپورٹ کو ایسے جرائم کے ثبوت کے لیے، جن کی سزا موت ہے، قطعی اور حتمی شہادت کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے یا اسے زیادہ سے زیادہ ہمارے فقہائے کرام کے اقوال کے مطابق ایک ظنی اور مشتبہ شہادت یا تائیدی شہادت کے

طور پر ہی لیا جا سکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے عہد مبارک میں مختلف مواقع پر قرائن کی شہادت کو اپنے قیاس کی بنیاد بھی بنایا اور اسے تائیدی شہادت کے طور پر استعمال بھی فرمایا، لیکن اسے کسی بھی وقوعے کے بارے میں قطعی اور حتمی شہادت کا درجہ نہیں دیا کہ اس کی بنا پر شرعی حد جاری کی جا سکتی ہے، ذیل میں ہم اس کی مثالیں پیش کر رہے ہیں:

ابو رافع سَلَّام بن ابو الحُقَیق ایک مشہور دشمنِ رسول تھا، وہ آپ کو ایذا پہنچاتا تھا۔ آپ ﷺ نے عبداللہ بن عَتِیک کی قیادت میں انصار کے پانچ افراد کو اُسے قتل کرنے کے لیے بھیجا۔ عبداللہ بن اُنَیس بیان کرتے ہیں کہ ہم نے واپس آ کر رسول اللہ ﷺ کو اُس کے قتل کی خبر دی۔ ہم میں اختلاف پیدا ہوا کہ وہ شخص کس کی ضرب سے قتل ہوا ہے، کیونکہ ہم میں سے ہر ایک اس اعزاز کا دعوے دار تھا، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سب اپنی تلواریں لے آؤ''، چنانچہ ہم اپنی اپنی تلواریں لے آئے۔ آپ ﷺ نے سب تلواروں کو دیکھا اور عبداللہ بن اُنَیس کی تلوار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''وہ اِس تلوار سے قتل ہوا ہے، کیونکہ مجھے اس پر خوراک کے ذرّات نظر آ رہے ہیں، (سیرتِ ابن ہشام، ج:2، ص:275، روایت کا خلاصہ)''۔

آپ ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ عبداللہ بن اُنیس کی تلوار ابن ابوالحُقیق کے بدن میں زیادہ گہرائی یعنی معدے تک گئی ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس پر لگے ہوئے خون کے دھبوں میں خوراک کے ذرات کی آمیزش نظر آتی ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ان کا وار زیادہ گہرائی تک گیا اور جان لیوا ثابت ہوا۔ یہ فراستِ نبوت کا فیضان تھا کہ آپ ﷺ نے قرائن کی شہادت (Circumstantial

Evidence) کا اعتبار کیا اور اسے کسی وقوعے کے ثبوت کے لیے تائیدی شہادت اور قرینے کے طور پر استعمال فرمایا۔

حدیث پاک میں ہے: ''ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم)، میرے ہاں ایک سیاہ فام بیٹے نے جنم لیا ہے (غالباً وہ شخص سفید رنگ کا تھا اور اس بنا پر اُسے اپنے بیٹے کے نسب کے بارے میں شبہ لاحق ہوا)، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟، اُس نے جواب دیا: جی ہاں!، آپ ﷺ نے پوچھا: اُن کے رنگ کیسے ہیں؟، اُس نے عرض کی: سرخ، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا اُن میں کوئی خاکستری رنگ کا بھی ہے؟، اُس نے عرض کی: جی ہاں!، آپ ﷺ نے فرمایا: تو وہ (یعنی سرخ اونٹوں میں خاکستری رنگ کا اونٹ) کہاں سے آ گیا؟، اُس نے عرض کی: شاید (اُس کے نسبی آباء میں سے) کسی کی رگ نے اُسے کھینچ لیا ہو، آپ ﷺ نے فرمایا: شاید تمہارے بیٹے کو بھی (تمہارے آباء کی) کسی رگ نے کھینچ لیا ہو، (بخاری: 5305)''۔ یہاں رسول اللہ ﷺ نے قیاس کو صحیح نسب کے لیے تائید کے طور پر استعمال فرمایا، اس کو مندرجہ ذیل حدیث سے مزید تقویت ملتی ہے:

علی بن ابی رباح اپنی سند کے ساتھ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے اُن سے پوچھا: تمہارے ہاں کیا پیدا ہوا؟، اُس نے جواب دیا: میرے ہاں جو بھی پیدا ہوگا بیٹا ہوگا یا بیٹی، آپ ﷺ نے پوچھا: وہ بچہ (صورت میں) کس سے مشابہ ہوگا؟، اُس نے عرض کی: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم)، یقیناً اپنے باپ یا ماں میں سے کسی کے مشابہ ہوگا، آپ ﷺ نے فرمایا: ذرا رکو، اس طرح نہ کہو، (بات یہ ہے کہ) جب نطفہ ماں کے رحم میں قرار پاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ (اپنی قدرت سے) اُس کے اور آدم علیہ السلام کے درمیان تمام

رشتوں (یعنی اُن کی صورتوں) کو حاضر فرمادیتا ہے (اور وہ اُن میں سے کسی سے مشابہت اختیار کرلیتا ہے) پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں پڑھا: ''وہ جس صورت میں چاہتا ہے، تمہارے وجود کی تشکیل فرمادیتا ہے، (المعجم الکبیر للطبرانی: 4624)''۔ اس کی مزید تائید اس حدیث پاک سے ہوتی ہے:

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں: ایک دن رسول اللہ ﷺ میرے پاس اس حال میں تشریف لائے کہ آپ بہت خوش تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: (عائشہ!) تمہیں معلوم ہے کیا ہوا؟، مُجَزِّز مُدْلِجی میرے پاس داخل ہوا، اُس نے دو اشخاص (زید بن حارثہ اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما) کو چادر اوڑھ کر لیٹے ہوئے اس طرح دیکھا کہ اُن کے سر (اور بدن کا بالائی حصہ) ڈھکا ہوا تھا اور پاؤں کھلے تھے۔ اُس نے کہا: یہ پاؤں ایک دوسرے سے ہیں (یعنی یہ دونوں اشخاص آپس میں باپ بیٹا ہیں)، (صحیح بخاری: 6771)''۔ حضرت اسامہ بن زید کا نسب اپنے باپ زید بن حارثہ سے ثابت تھا، لیکن باپ بیٹے کے رنگ میں تفاوت کی وجہ سے کسی منافق نے اُن کے نسب پر طعن کیا تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے قیافے کے ماہر مُجزِّز مدلجی کے اس مشاہدے کو تائیدی شہادت کے طور پر لیا اور خوشی کا اظہار فرمایا کہ ایک غیر جانبدار ماہر شخص نے ان دونوں کے حقیقی باپ بیٹا ہونے کی تصدیق کردی۔

اب جاکر سائنس اور جدید علم نے اس کی توثیق کی ہے۔ چنانچہ اب فارنزک لیبارٹری کی مثبت رپورٹ اور وڈیو ریکارڈنگ یعنی مُتحرک تصاویر کو کسی جرم کے ثبوت کے لیے ایک حد تک قبول کیا جارہا ہے۔ لیکن کسی سنگین نوعیت کے جرم، جس کی قانون اور شریعت میں سزا موت مقرر ہے، کے ثبوت کے لیے ڈی این اے کی

مثبت لیبارٹری رپورٹ اور ویڈیو ریکارڈنگ کو، خواہ وہ کتنی ہی معیاری ہو، واحد حتمی اور قطعی ثبوت مان کر سزائے موت کا فیصلہ نہیں دیا جاسکتا۔ یعنی محض اس مثبت فارنزک رپورٹ کی بنا پر شریعت کی مقرر کی ہوئی ''حَدِّ زنا'' جاری نہیں کی جاسکتی، کیونکہ اس میں ملاوٹ اور کسی چیز کی آمیزش کا امکان موجود ہے۔ اسی طرح وڈیو ریکارڈنگ اور متحرک تصاویر میں بھی ایڈیٹنگ کے امکان کو کلی طور پر مسترد نہیں کیا جاسکتا۔ یہ تو ہمارے ہاں روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ ٹیلیویژن کوریج کرنے والے اپنے کسی من پسند سیاسی رہنما یا پارٹی کے جلسے کو بڑا کر کے دکھاتے ہیں اور ناپسندیدہ لیڈر یا پارٹی کے اُتنے ہی یا اُس سے بھی بڑے اجتماع کو چھوٹا کر کے دکھاتے ہیں، اِسے ہمارے مُحاورے میں کیمرے یا ہاتھ کا کمال کہتے ہیں۔ یعنی ذاتی پسند وناپسند، ترغیب وتحریص، دباؤ اور تعصُّب کی بنا پر حقائق وواقعات میں تَغیُّر وتبدُّل یا کمی بیشی یا مؤثر یا غیر مؤثر بنا کر پیش کرنا ممکن ہے۔ اسی طرح تمام تر دیانت اور نیک نیتی کے باوجود بشری خطا کے امکان کو بھی کلی طور پر رَد نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر کیس میں ایسا ہو، لیکن خطا کا امکان قطعیت کی نفی کے لیے کافی ہے۔ ہمارے ہاں میڈیکولیگل رپورٹ اور میت کے پوسٹ مارٹم میں ردوبدل کے شواہد بہت ہیں۔

الغرض ان اسباب کی بنا پر ڈی این اے کی مثبت رپورٹ یا فارنزک شواہد ظنی اور مشتبہ (Doubtful) قرار پاسکتے ہیں، قطعی ہرگز نہیں ہوسکتے، جبکہ حدزنا جاری کرنے یا قتل کی سزا نافذ کرنے کے لیے ثبوت کا قطعی اور لاریب ہونا ضروری ہے اور وہ مطلوبہ عینی شہادت ہی سے ممکن ہے۔ خون کے دھبے، بندوق کی گولیاں اور انسانی دانت سے کاٹنا اسی زمرے میں آتا ہے، تاہم ان شواہد کی بنا پر جج یا قاضی اگر مطمئن ہو تو تعزیر کے طور پر سزا دے سکتا ہے اور اس سے کسی کو اختلاف نہیں

ہے۔امریکہ کے حالیہ سفر میں ڈاکٹر خالد اعوان صاحب نے امریکہ اور جرمنی کی عدالتوں اور تفتیشی اداروں کے حوالے سے ڈی این اے رپورٹ کے غیر یقینی ہونے کے بارے میں وہاں کے اخبارات کے حوالوں سے ہمیں یہ شواہد فراہم کیے، جو ہمارے لبرل عناصر کے لیے یقینا حجت ہوں گے:

امریکہ کے نہایت مشہور ایتھلیٹ او جے سمپسن پر اپنی بیوی اور اس کے آشنا کے دُہرے قتل کا الزام تھا، وکیل صفائی نے موقف اختیار کیا کہ ڈی این اے کے حاصل کیے ہوئے نمونے میں لیبارٹری میں کسی آمیزش کے امکان کو رد نہیں کیا جاسکتا۔اسی طرح 2009ء میں ایک واضح ابہام رپورٹ کیا گیا۔اس کی رُو سے محض ڈی این اے کی مثبت رپورٹ پر اس حد تک انحصار کو شک کی نظر سے دیکھا گیا کہ اسے قطعی شہادت مان کر مجرم پر سزائے موت نافذ کردی جائے۔

پندرہ سال تک جرمنی کی ایک اسٹیٹ کی پولیس ایک عادی قاتلہ خاتون کو شدت سے تلاش کرتی رہی، جس کی ڈی این اے کے مثبت شواہد چالیس جرائم کے وقوعوں میں پائے گئے، ان میں سے چھ قتل کے جرائم تھے۔2007ء میں انہوں نے متبادل امکانات پر غور شروع کیا، پھر مارچ 2009ء میں اسٹیٹ منسٹر نے اعلان کیا کہ کیس کو حل کرلیا گیا ہے، وہ یہ کہ جس فیکٹری سے نمونہ لینے کے لیے روئی کا پھایا لیا جارہا تھا، وہاں ایک خاتون ورکر کی لاپرواہی سے آمیزش (Contamination) ہورہی تھی، (2009, May11, Monday,Kingport Times-News)"۔

اسی طرح Amanda knox نامی ایک امریکی خاتون کو اٹلی میں اپنے ساتھ کمرے میں رہنے والی دوسری خاتون کو قتل کرنے کے الزام میں 25 سال کی سزا سنائی گئی۔اس پر الزام ثابت کرنے کے لیے ڈی این اے لیبارٹری رپورٹ کو بطور ثبوت پیش کیا گیا۔تقریباً ایک سال بعد اس فیصلے کو چیلنج کردیا گیا اور امریکہ کے ایک

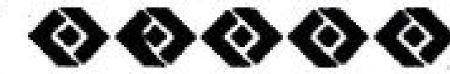
اخبار میں رپورٹ شائع ہوئی: "Rom-Amanda knox کو ایک فیصلہ کن فتح حاصل ہوئی۔ایک غیر جانبدار فارنزک رپورٹ نے بتایا کہ اس امریکی طالب علم اور اس کی ساتھی کے مقدمے میں جو ڈی این اے رپورٹ بطور شہادت استعمال کی گئی، وہ قابل اعتماد نہیں تھی اور اس میں آمیزش تھی۔اس رپورٹ سے معلوم ہوا کہ پہلے ٹرائل میں جو ڈی این اے ٹیسٹ استعمال کیا گیا، وہ بین الاقوامی معیار سے کم تر درجے کا تھا اور اس کے سبب اَمنڈا ناکس کی سزا کو ختم کرنے کے امکانات بڑھ گئے ہیں، (2011,Bristol Herald Courier,Thursday,June 30)"۔
پس شرعی حد جاری کرنے کے لیے ڈی این اے ٹیسٹ کو حتمی اور قطعی ثبوت ماننے والوں کو اس رپورٹ کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔

اسی طرح امریکی ریاست ٹیکساس میں فوجداری عدالتِ مُرافعہ نے 16 جولائی کو Clifton Williams کی سزائے موت کو نفاذ سے محض چند گھنٹے قبل ملتوی کردیا، کیونکہ استغاثہ کے وکلاء نے یہ موقف اختیار کیا کہ Williams نامی ایک اور سیاہ فام شخص کے ڈی این اے پروفائل سے اس کے مشابہ ہونے کا امکان ہے اور اس امکان کا تناسب ایک کے مقابلے میں 43 Sextilion ہے، یعنی 43 کے آگے اکیس صفر لگانے سے جو عدد بنتا ہے، اس کے برابر ہے یا اسے ایک سے نسبت 43 بلین ٹریلین سے تعبیر کرسکتے ہیں۔ٹیکساس کی انتظامیہ نے حال ہی میں ایف بی آئی کے تیار کردہ ڈیٹا بیس پر انحصار کرکے نتیجہ اخذ کیا کہ ایک اور سیاہ فام ولیم نامی شخص کے ڈی این اے پروفائل سے اس نمونے کے ملنے کے امکانات One in 40 Trillion Billions ہیں، (Kingsport Times-News,Monday,August 10, 2015)"۔

ہمارے ہاں بعض لوگ قتل یا آبروریزی کے مقدمات (یعنی ایسے جرائم جن کی

سزا موت یا عمر قید ہے) میں صرف ڈی این اے کی مثبت لیبارٹری رپورٹ کو حتمی اور قطعی شہادت کے طور پر قبول کرنے پر مُصر ہیں اور اِسے حتمی اور قطعی ثبوت نہ ماننے والوں کو دقیانوسی فکر کا حامل قرار دیتے ہیں۔ ایسے تمام لبرل حضرات سے گزارش ہے کہ وہ آبروریزی کے مقدمات میں ڈی این اے کی شہادت کو قطعی ثبوت نہ ماننے کی بابت Univercity of Michigans Innocene Clinic کے 56 سالہ کارل ونسن کے مقدمے کا مطالعہ کریں، جسے جبری آبروریزی کے مقدمے میں 25 سال کی جیل گزارنے کے بعد اس بنا پر رہا کر دیا گیا کہ جج ایزن براؤن نے کہا: ''عدالت سائنسی شواہد کی بجائے عینی شہادت پر انحصار کرے گی''۔(Kingport Times-News, Monday, July 16, 2011)

الغرض ڈی این اے ٹیسٹ کی مثبت رپورٹ کے قطعی ثبوت نہ ہونے کے بارے میں امریکہ اور مغربی ممالک کی عدالتیں یک آواز نہیں ہیں، بعض اسے حتمی اور قطعی ثبوت مانتے ہیں اور بعض عدالتوں اور ایف بی آئی نے اسے تسلیم نہیں کیا۔ اسی حقیقت کو علمِ نبوت نے چند الفاظ میں بیان فرما دیا: ''جس قدر ہو سکے مسلمانوں سے حدود کو ساقط کر دو، (سنن ترمذی:1424)''۔ امام ابن ماجہ نے اپنی سُنَن میں باب باندھا: ''مومن کی پردہ پوشی اور حدود کو شبہات کے سبب دور کرنے کا بیان''۔ امید ہے میری یہ عاجزانہ کاوش ان شاء اللہ جج صاحبان، مفتیانِ کرام، وکلاء حضرات اور قانون کے طلبہ کے لیے مفید ثابت ہوگی۔



مولانا وصی احمد سورتی بہ حیثیت حاشیہ نگار

رضوانہ سحر (ریسرچ اسکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ کراچی)

Abstract

MAULANA WASI AHMAD SURTI AS A AUTHOR OF GLOSSES

19th-century India saw a number of religious and political activists, Maulana Wasi Ahmad Surti. Maulana Surity lived in Pilibhit, a small city of North India. He was a well-known teacher of Hadith. His madarasa "Madarasat-ul Hadith" i s popular for producing one of the well-know teachers and religious figures. He also authored a number of books and glosses. This article persents an introduction and analysis of his known glosses. These glosses are mostly on famous hadith books. Some glosses are on books of Tafsir and Logic. Most of these glosses are rare now but were once an important source of understanding the related texts.

Key words: Abdul Ahad, Wasi Ahmad Surti, Pakistan, Independence movement, Khilafat movement, Congress, Hadith Sciences, Orator.

مولانا وصی احمد سورتی بن مولانا طیب سورتی بن مولانا طاہر سورتی بن مولانا قاسم سورتی بن مولانا ابرہیم سورتی المتوفی ۱۲۵۴ھ بمطابق ۱۸۳۶ء میں راندیر ضلع سورتی میں پیدا ہوئے۔[۱] آپ ایک صاحب سلسلہ بزرگ تھے آپ کا سلسلہ نسب

حضرت محمد بن حنفیہ بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے۔[2] لیکن آپ تا حیات نمود و نمائش سے کوسوں دور رہے، یہی وجہ ہے کہ آپ کی حیات کے بارے میں تاریخ کی چند کتب اور ایک دو انڈیا کے قدیمی ماہناموں کے علاوہ، صرف ایک تذکرہ ''تذکرۂ محدث سورتی'' کے نام سے ہمیں پڑھنے کو ملتا ہے۔[3] جبکہ آپ اپنے زمانے کے صاحب تصانیف، محدثین وفقہاء کی فہرست میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں آپ کو اپنے زمانے کے تمام تر علوم نقلیہ وعقلیہ پر نہ صرف کامل دسترس حاصل تھی بلکہ اس کے ساتھ آپ کے اندر ایک بہترین قائدانہ صاحیت بھی چھپی ہوئی تھی اور بہ وقت ضرورت آپ اس صلاحیت کا استعمال بھی کیا کرتے تھے جیسا کہ آپ نے برصغیر ہندو پاک کی مسلم اقوام کے لئے ایک بہتر انداز سے مدرس کے نظام کو لانے کی بھرپور کوششیں کیں اور کامیابی بھی حاصل کی۔[4] اس کے ساتھ ہی آپ نے ۴۰ سال مدرسہ الحدیث میں درس دیا تو دوسری جانب ۵۰ سال تک بہ احسن وخوبی عہدِ افتاء کی تمام تر ذمہ داریوں کو نبھایا پر مولانا سورتی کا ذاتی کتب خانہ حوادث زمانہ کی نذر ہو گیا جس کی بناء پر اب ہم بیشتر حواشی سے محروم ہو چکے ہیں بقول رضی حیدر مولانا وصی احمد سورتی صاحب ''بہ حیثیت طبیب بھی علم طب کی بعض کتب پر نایاب حواشی اور افادات تحریر فرمائی تھی۔''[5] آپ ایک صاحب تصانیف وتالیف محدث ومفتی گزرے ہیں اور اس بات کی گواہی آج بھی آپ کی تحریر کردہ کتب سے ملتی ہے ویسے تو آپ کی کچھ نگارشات آج تک زیوار طبع سے مذین نہ ہو سکی ہیں تاہم وہ آپ کے خاندان میں قلمی صورت میں آج بھی موجود ہیں۔ مولانا سورتی کو عربی، فارسی اور اردو زبانوں پر کامل عبور حاصل تھا اور آپ کا زیادہ تر تحریری سرمایہ عربی وفارسی میں ہے تاہم اردو کی تصنیف بھی آفاق کی بلندیوں کو چھوتی نظر آتی ہیں مولانا وصی احمد سورتی نے جہاں علوم دینیہ کے بے شمار موضوعات

پر قلم اٹھایا وہی آپ ایک محشی کی حیثیت سے بھی ہمارے سامنے آئیے لہٰذا اس وقت ہمارا موضوع صرف آپ کی حاشیہ نگاری پر تحریر کردہ کتب ہیں اور بہ حیثیت محشی آپ نے جن کتب پر حاشیہ نگاری کی وہ مندرجہ ذیل ہیں: حاشیہ شرح معانی الآثار، حاشیہ سنن نسائی، حاشیہ مدارک التنزیل، حاشیہ شافیہ، حاشیہ ملا حسن، حاشیہ شروع اربعہ ترمذی، حاشیہ میبذی شرح ہدایت الحکمۃ، حاشیہ مقامات حریری، حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح، حاشیہ شفا ملا علی قاری، اور حاشیہ موطاء امام محمد۔

حاشیہ شرح معانی الآثار

امام ابو جعفر طحاوی (متوفی ۳۲۱ھ) کا شمار تیسری صدی کے محدثین وفقہا میں ہوتا ہے آپ جامعین کتب احادیث صحاح ستہ کے معاصر میں یہی وجہ ہے کہ محدثین اور فقہا کے تمام طبقات آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔[6] مولانا سورتی نے شرح معانی الآثار کے حاشیہ پر مقدمہ تحریر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ محدثین امام ابو جعفر طحاوی کو حافظ اور امام کہتے ہیں اور فقہا ان کو مجتہد قرار دیتے ہیں، شیخ عبد القادر نے کہا کہ وہ ثقہ، نبیل اور حدیث کا مسکن تھے، سمعانی نے کہا کہ وہ امام عاقل اور ثقہ شخصیت کے مالک تھے اور ان کی وفات کے بعد دنیا آج تک اُن کی نظیر نہیں پیش کر سکی امام سیوطی نے کہا کہ وہ حدیث اور فقہ میں امام علوم دینیہ کے ماویٰ اور حدیث نبویہ کے ملجا تھے، اور حافظ ابو شیرازی کہا کرتے تھے کہ امام ابو جعفر طحاوی اصحاب ابو حنیفہ کی ریاست کے منتہا ہیں ا۔ لیکن اس کے باوجود مذاہب اربعہ کے علماء آپ کو حدیث وفقہ دونوں میں سند تسلیم کرتے ہیں۔[7]

امام جعفر طحاوی ۲۳۹ھ میں مصر کے حسین وادی نیل کے کنارے ''طحا'' نامی بستی میں پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے آپ کو طحاوی کہا جاتا ہے، ابتدائی تعلیم کے بعد اپنے ماموں ابو ابراہیم غرنی سے فقہ شافعی پڑھی، مصر میں ابو جعفر احمد بن ابی

عمران سے فقہ حنفی پڑھی، شام میں ابو حازم سے فقہ کیسانی، ابو موسیٰ یونس بن عبد الاعلیٰ الصدفی سے استفادہ کیا، امام ابو طحاوی ابتداء میں شافعی المذہب تھے، بعد میں شافعیت کو چھوڑ کر حنفی مسلک اختیار کر لیا اور بہت جلد حدیث وفقہ میں امام بے عدیل اور فاضل بے مثل ہوئے امام طحاوی کے علم وفضل اور ورع وتقویٰ سے کسی کو انکار نہیں اور تمام علماء رِجال نے فنِ حدیث وفقہ میں آپ کے فضل وکمال کا ہمیشہ اعتراف کیا ہے، آپ صاحب تصانیف کثیرہ تھے۔ مورخین نے مختلف علوم وفنون پر آپ کی ۲۹ کتابیں درج کی ہیں امام ابو جعفر طحاوی بیاسی سال کی عظیم وپرشکوہ زندگی گزارنے کے بعد یکم ذیقعدہ ۳۲۱ھ میں انتقال کر گئے۔ ۸

اس کتاب میں حدیث فقہ اور رجال کے متعدد علوم کو نہایت حُسن اور خوش اسلوبی سے جمع کر دیا گیا ہے، شرح معانی الآثار کی افادیت اور عظمت کے پیش نظر اس کی متعدد شروحات لکھی گئی ہیں اور اب تک متعدد بار عالم اسلام میں یہ کتاب شائع ہو چکی ہے تیرھویں صدی کے اواخر میں علماءِ ہند نے ''شرح معانی الآثار'' کے ایک مستند نسخے کی اشاعت ضروری سمجھی چنانچہ دہلی کے تاجر قاضی بن یامین نے اس جانب توجہ دی اور پہلی مرتبہ اس کا ایک مستند نسخہ محمود نگر لکھنو سے شائع ہوا جس پر مولانا وصی احمد سورتی کا مختصر لیکن نہایت معلومات افزاء مقدمہ اور حاشیہ شامل تھا، قاضی بن یامین نے اس نسخہ کو دوسری مرتبہ ۱۳۰۰ھ میں مطبع المصطفائی کانپور سے طبع کرایا یہ نسخہ دو جلدوں پر مشتمل تھا، پہلی جلد میں ۴۴۴ اور دوسری جلد میں ۴۳۶ صفحات تھے، اس نسخہ کا افتتاحیہ مولانا محمد حسن اسرائیلی سنبھلی نے لکھا ہے، آپ نے اختتامیہ میں اس کی اشاعت کا پس منظر کچھ یوں بیان کیا ہے:

جب قاضی بن یامین پنجابی ثم دہلوی نے اس کتاب کو طبع کرانا چاہا تو اُن کو تین مخطوطے ملے جو مولوی عبد الحیٔ فرنگی محلی، مولانا عبد القادر بدایونی

اور میاں نذیر حسین دھلوی کے پاس تھے، چنانچہ ان تینوں مخطوطوں کو ایک صحیح متن کی ترتیب کا فریضہ قدوۃ الحنفیہ واسوۃ سعاۃ الملۃ الصفیہ المولوی محمد وصی احمد السورتی لازال فیضہ الخفی والجلی اور المولوی محمد عبد العلی آسی مدارسی (مصحح مطبع نظامی) نے انجام دیا اور طباعت واشاعت کے لئے ان تین نسخوں سے ایک صحیح متن مرتب کیا، پھر مولوی وصی احمد محدث سورتی نے اس کا مقدمہ تحریر فرمایا اور اس کتاب پر حواشی لکھے تا کہ اہلِ بصیرت کی نظر کو جلا ملے، کتاب پر تمام حواشی مولوی وصی احمد محدث سورتی کے تحریر کردہ ہیں صرف دو تین جگہ خاکسار (مولوی محمد حسن اسرائیلی) نے حواشی لکھ دیئے ہیں۔ ۹

''شرح معانی الآثار'' کے اس حاشیے کو اہلِ علم میں قبولیت کا درجہ حاصل ہوا اور یہ ہندوستان کے کئی مطابع سے اشاعت پذیر ہوا، ۱۳۲۶ھ میں اس نسخہ کا اردو ترجمہ جو مولانا محمد حیات سنبھلی نے کیا تھا، مطبع اسلامیہ لاہور سے چار جلدوں میں طبع ہوا، ۱۳۲۸ھ میں اسی مطبع نے اس نسخہ کا عربی متن بھی دو جلدوں میں شائع کیا، مولانا غلام رسول سعیدی نے اپنی کتاب ''تذکرۃ المحدثین'' میں لکھا ہے کہ مولانا سورتی نے ''شرح معانی الآثار'' پر ایک مختصر اور مفید حاشیہ لکھا ہے جس میں مشکل الفاظ کے معانی اور باب کی پوری بحث کا خلاصہ پیش کر دیا ہے۔ ۱۰ مطبع مصطفائی کانپور سے شائع ہونے والے اس نسخے میں جو دو جلدوں اور ۸۸۰ صفحات پر مشتمل ہے مولانا سورتی نے ۶۱۷ مقامات حاشیہ لکھا ہے بعض مقامات پر کتب معتبرہ سے اسناد بھی پیش کی ہیں اور متعارض احادیث پر جرح بھی کی ہے، خصوصاً اسماء الرجال کے سلسلے میں مولانا سورتی نے بہت احتیاط سے کام لیا ہے اور جہاں حدیث ضعیف کے ضمن میں راوی کے اعتبار کی بات آئی ہے آپ نے کوشش کی ہے کہ معاصر اسناد

سے مسئلہ صاف ہو جائے اکثر حواشی میں آپ نے ملا علی قاری کو بطور سند پیش کیا ہے جس سے آپ کی ملا علی قاری کی طرف رغبت اور انسیت کا اظہار ہوتا ہے، ایک مقام پر حضرت محدث سورتی نے اپنے استاد مولانا احمد علی محدث سہارنپوری سے بھی ایک مسئلہ میں سند پیش کی ہے۔ ۱۱

حاشیہ سنن نسائی

امام ابو عبد الرحمن نسائی آئمہ صحاح ستہ میں اہم شخصیت کے حامل ہیں اور تمام مشائخ وعلماء آپ کے تقدم اور امامت کا اعتراف کرتے ہیں حتیٰ کہ بعض نے تو یہاں تک کہا ہے کہ امام نسائی علم حدیث میں اپنے تمام ہم عصروں پر فائق تھے۔ ۱۲ حافظ ابنِ حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) نے لکھا ہے کہ امام نسائی نقد رجال میں انتہائی محتاط، معتمد اور افضل تھے، آپ نے اپنے عہد کے یگانہ روزگار مشائخ سے سماع حدیث کا شرف حاصل کیا اور پھر تمام عمر خدمتِ احادیث میں گزار دی، آپ کے تلامذہ کا سلسلہ بھی بہت وسیع ہے، امام نسائی نے شدید مصروفیات کے باوجود متعدد کتب تصنیف کیں، آپ کی تصنیف سنن نسائی کتب صحاح ستہ میں انتہائی اہم حیثیت رکھتی ہے۔ سنن میں امام نسائی نے صرف احادیث ہی کو جمع نہیں کیا بلکہ عللِ حدیث اور دیگر علوم حدیث کا بھی ذکر کیا ہے، حافظ شمس الدین سخاوی (م ۹۰۲ھ) اپنی تالیف ''فتح المغیث'' میں لکھتے ہیں کہ بعض مغربی محدثین نے تصریح کی ہے کہ امام نسائی کی کتاب ''سنن'' امام بخاری (۲۵۶ھ) کی ''صحیح'' سے زیادہ بہتر ہے۔ ''سنن نسائی'' کا سببِ تالیف محدثین نے اس طرح بیان کیا ہے کہ پہلے امام نسائی نے ایک ضخیم کتاب ''سنن کبریٰ'' تالیف کی جس میں صحیح اور حسن دونوں قسم کی احادیث جمع تھیں بعد میں آپ نے امیر فلسطین رملہ کی فرمائش پر تمام صحیح احادیث علیحدہ مرتب کیں جس کا نام ''سنن صغریٰ'' رکھا جو عرفِ عام ''سنن نسائی'' کے نام سے اہلِ

علم میں معروف ہوئی۔ علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

صحاح ستہ کی دیگر کتب کی جس قدر شروح اور تعلیقات تحریر کی گئیں سنن نسائی کی شروح اور حواشی پر اُس قدر توجہ نہیں دی گئی اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ یہ کتاب آسان اور سہل الحصول ہے دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ سنن نسائی کی اکثر احادیث چونکہ دوسری کتب صحاح میں آچکی ہیں اور وہاں اُن کی مفصّل شرح کی جا چکی ہے اس لئے سنن نسائی کے عنوان سے ان احادیث کی مزید شرح نہیں کی گئی۔ ۱۳

''سنن نسائی'' کی پہلی مبسوط شرح علامہ ابو الحسن علی بن عبد اللہ الانصاری (م ۵۶۷ھ) کی تالیف، دوسری شرح علامہ ابن الملقن (م ۸۰۴ھ) نے اور تیسری شرح حافظ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے لکھی اس کے علاوہ نسائی پر حواشی اور تعلیقات بھی لکھی گئیں، تیرھویں صدی ہجری کے آخر میں حضرت مولانا وصی احمد سورتی نے اس کتاب کے بعض مقامات کو قابلِ تشریح تصور کیا اور نہایت مدلل اور مفصل تعلیقات فرمائیں، ان تعلیقات کو علماء ہند نے نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا، خصوصاً مولانا احمد علی محدث سہارنپوری نے سنن نسائی کی تعلیقات دیکھنے کے بعد مولانا سورتی کو حلقہ درس میں شامل کر کے خصوصی سند عنایت کی، سنن نسائی پر محدث سورتی کی یہ تعلیقات، ۱۲۹۵ھ میں مطبع نظامی کانپور نے نہایت اہتمام سے شائع کی تھیں جو آج بھی اہلِ علم کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہیں۔

حاشیہ مدارک التنزیل

علامہ عبد اللہ بن احمد بن محمود نفسی، (م ۷۱۰ھ) کا شمار آٹھویں صدی ہجری کے معروف فقہا وعلماء میں ہوتا ہے، آپ نے قرآن حکیم کی ایک نہایت معتبر تفسیر ''مدارک التنزیل'' کے نام سے تصنیف فرمائی جس کو اہل علم کے درمیان شہرت دوام

حاصل ہوئی، برصغیر کے علماء نے بھی اس تفسیر کو وقعت کی نگاہ سے دیکھا اور اس کے حواشی بھی تحریر کئے، خصوصاً مذہبی مدارس کے طلبہ کے لئے اس کی افادیت کو تسلیم کیا گیا۔ مولانا سورتی نے مطبع نظامی سے شائع ہونے والی اس تفسیر پر ایک مختصر حاشیہ تحریر کیا تھا جیسا کہ مدرسۃ الحدیث کی از سرِ نو تعمیر کے سلسلے میں ۱۳۴۲ھ میں شائع ہونے والے ایک اشتہار میں مولانا سورتی کی تصانیف کے ضمن میں اس حاشیہ کا ذکر موجود ہے۔ خواجہ رضی حیدر نے اپنے ایک انٹرویو میں ہمیں بتایا کہ ہندو پاک کے متعدد کتب خانوں میں باوجود تلاش بسیار اس کا کوئی نسخہ دستیاب نہ ہوسکا۔ ۱۴

حاشیہ شافیہ

عربی لسانیات میں جن علماء نے دائمی شہرت حاصل کی اُن میں ابن حاجب (م ۶۴۶ھ) کا اسمِ گرامی سرِ فہرست ہے، اُن کا اصل نام تذکرہ نگاروں نے جمال الدین ابوعمرو عثمان بن عمر بن ابی بکر بن یونس لکھا ہے لیکن وہ اپنے والد ابوعمر کے منصب ''حاجب'' کے نام سے معروف ہوئے اور ابن حاجب کہلائے، ابن حاجب کو صرف ونحو میں مہارت تامّہ حاصل تھی یہی وجہ ہے کہ نحو میں اُن کے رسالہ کافیہ اور صرف میں شافیہ کو بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی اور آج بھی ادب عربی و درس نظامی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں، الشافیہ صرف پر متداوّل رسالہ ہے، برصغیر پاک وہند میں اس پر متعدد حواشی لکھے گئے۔ مولانا سورتی نے بھی اس پر ایک حاشیہ تحریر کیا تھا، جو مطبع مصطفائی کان پور سے ۱۳۹۸ھ میں شائع ہوا جیسا کہ مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت کی از سرِ نو تعمیر کے لئے شائع کئے جانے والے اشتہار میں مولانا سورتی کی تصانیف کے ضمن میں اس کا ذکر موجود ہے لیکن تلاش بسیار کے باوجود اس کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں ہوسکا۔ ۱۵

حاشیہ شرح ملا حسن

مولانا سورتی علوم وفنون کے تمام شعبوں میں مجتہدانہ بصیرت رکھتے تھے، آپ کو جس طرح علوم نقلیہ یعنی تفسیر، حدیث اور فقہ میں کامل دسترس حاصل تھی اسی طرح علوم عقلیہ پر بھی آپ کی زبردست نظر تھی جس کا اندازہ اُن تعلیقات سے ہوتا ہے جو آپ نے درس وتدریس کے دوران منطق وفلسفہ کی مختلف کتب پر سپردِ قلم فرمائیں، سلّم العلوم از ملّا محب اللہ بہاری کی ''شرح ملا حسن'' کے ایک مطبوعہ نسخہ پر آپ کے متعدد مقامات پر قلمی حواشی عربی زبان میں موجود ہیں، ہر چندان حواشی کی نوعیت مستقل حواشی کی سی نہیں ہے لیکن اس کی افادیت مسلّم الثبوت ہے، ان حواشی کے مطالعہ سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ آپ نے درس وتدریس کی دوران طلباء کو منطق وفلسفہ کی کتابیں بھی پڑھائیں تھیں اور مضامین کے ابلاغ کے لئے مروّجہ کتب پر حواشی بھی تحریر کئے تھے تا کہ طلباء کو نئے مفاہیم ومطالب سے روشناس کرایا جائے۔ ''شرح ملا حسن'' پر ایک جگہ علّت تامّہ کی تعریف میں لکھتے ہیں:

> علّتِ تامّہ اس کو کہتے ہیں کہ معلول کا وجود اُس کے علاوہ کسی اور چیز پر موقف نہ اور فضلاء مناطقہ نے کہا ہے کہ علّت تامّہ اُن تمام امور کا مجموعہ ہے جو معلول کے تحقق میں معتبر ہوتے ہیں اور ان کی یہ تعریف واجب تعالیٰ کو شامل نہیں ہے حالانکہ مناطقہ واجب تعالیٰ کو عقلِ اوّل کی علّتِ تامّہ قرار دیتے ہیں کیونکہ واجبِ تعالیٰ عقلِ اوّل کی علّتِ تامّہ ہے اور واجب تعالیٰ پر اس معنیٰ کے لحاظ سے علّت تامّہ کا اطلاق درست نہیں ہے، اس لئے کہ واجب تعالیٰ بسیط ہے مرکب نہیں۔ ۱۶

مولانا سورتی کی ذہن رسا اور ذکاوت کا یہ ایک ادنیٰ نمونہ ہے جس میں آپ نے تمام مناطقہ کی متفق علیہ تعریف کو مجروح کردیا ہے اور یہ ثابت کردیا ہے کہ مناطقہ

نے جو علّت تامّہ کی تعریف کی ہے وہ صحیح نہیں ہے اور اسی میں ضمنی طور پر آپ نے یہ بھی بتادیا کہ مناطقہ کے بیان کردہ تمام اصول لائق اعتماد نہیں ہیں اس لئے منطقی قواعد کی بناء پر شرعی احکام سے معارضہ کرنا لائقِ التفات اور قابلِ توجہ نہیں۔ حضرت محدث سورتی کے قلمی حواشی پر مبنی یہ نسخہ مفتی وقارالدین پیلی بھیتی شیخ الحدیث دارالعلوم امجدیہ کراچی کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے۔ یہ نسخہ مطبع محمدی (محمد یعقوب) کا مطبوعہ ہے جو ۲۴۰ صفحات پر مشتمل ہے، لیکن اس پر سالِ طباعت درج نہیں ہے۔

حاشیہ شروح اربعہ ترمذی

والی محمد آباد عرف ٹونک نواب محمد علی نے اپنے ایام اسیری میں مجموعہ احادیث ترمذی شریف کی مختلف شروح کا مطالعہ کرنے کے بعد چار شروح کا انتخاب کیا اور ان کو مجموعہ شروح اربعہ ترمذی شریف کے نام سے مرتب کیا، یہ مجموعہ نواب علی خاں کی خواہش پر محمد عبدالرحمن خان مالک مطبع نظامی کانپور نے ۱۸۹۴ء میں شائع کیا جو چار جلدوں پر مشتمل ہے، جلد اوّل ۱۸۹۴ء میں اور جلد ثانی ۱۸۹۶ء میں شائع ہوئی تھی، جبکہ دوجلدیں بعد میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوئیں، ان شروح کی طباعت سے قبل والی ٹونک نے جو خود عالم جلیل اور محدث کامل تھے، مجموعہ میں شامل شروح کے بعض مقامات پر تعلیقات کی ضرورت محسوس کی چنانچہ اس کام کے لئے حضرت محدث سورتی کا انتخاب کیا گیا، حضرت محدث سورتی نے مذکورہ شروح کے مطالعہ کے بعد کم وبیش چاروں شروح پر جہاں گنجائش محسوس کی وہاں تعلیقات سپردِ قلم فرمائیں، مجموعہ میں شامل شروح یہ ہیں: شرح سراج احمد، شرح ابی الطیب، قوت المغتذی اور عارضۃ الاحوذی۔

اس مجموعہ پر حضرت محدث سورتی کی تعلیقات کے مطالعہ سے حضرت محدث

سورتی کے علم وفضل پر کمال روشنی پڑتی ہے اور یہ کہنا پڑتا ہے کہ آپ کو تفہیم حدیث، اسماء الرجال اور تفہیم کتاب میں بڑا کمال حاصل تھا، فنونِ عربیہ اور قواعد ادبیہ کی تمام اصطلاحات کو آپ کتب احادیث میں سمودیتے تھے، خصوصاً کتاب فہمی میں مجتہدانہ بصیرت رکھتے تھے، علّامہ غلام رسول سعیدی نے ”شروح اربعہ ترمذی“ پر محدث سورتی کی تعلیقات کا اپنے ایک مضمون میں بڑی خوبصورتی سے احاطہ کیا ہے، آپ لکھتے ہیں:

> محدث سورتی کی مذکورہ تعلیقات بے شمار خوبیوں کی حامل ہیں اور علماء وفضلاء کے لئے اپنے اندر بڑی علمی جاذبیت رکھتی ہیں، حدیث فہمی کے سلسلے میں ایک محدث کے لئے ضروری ہے کہ وہ متعارض احادیث میں ترجیح اور تطبیق دینے کی مہارت رکھتا ہو، حدیث سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں اُن کو اخذ کرنے کی اُس میں پوری صلاحیت ہو، فقہی مسائل کا استنباط کرسکتا ہو، جو حدیث مخالفین کے مسلک کا مستدل ہو اُس کی توجیہہ کرے اور اپنے مسلک کی مؤید احادیث کو وارد کرے، حدیث کو فن حدیث سے بھی پرکھے اور علم اصول حدیث کے تحت اس حدیث پر گفتگو کرے حضرت علامہ وصی احمد محدث سورتی اسی شان کے محدث تھے جیسا کہ شروح اربعہ ترمذی پر تعلیقات سے ظاہر ہے۔[۱۷]

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے الصوم فی النصف الباقی من شعبان الحال رمضان کے تحت اپنی سند کے ساتھ ایک حدیث بیان کی ہے کہ ”حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب شعبان کا نصف ماہ گزر جائے تو روزہ نہ رکھو۔“ امام ترمذی کہتے ہیں کہ ابوہریرہ کی حدیث حسن صحیح ہے اور ان الفاظ کے ساتھ غریب ہے اور بعض علماء کا مسلک یہ ہے کہ آدمی شروع ماہ میں روزہ نہ رکھے اور

جب ماہ شعبان کے شروع میں چند یوم ہوں تو روزہ رکھے تاکہ رمضان کے روزوں کے لئے وہ تیار رہے اور اس مسلک کی تقویت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث مروی جس کو ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان سے پہلے روزہ نہ رکھو الّا یہ کہ اس دن روزہ رکھنا اُس کی عادت ہو۔'' اس ضمن میں امام ترمذی کے قول وھٰذا احدیث النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر محدث سورتی نے اپنی تعلیقات سپردِ قلم کرتے ہوئے لکھا ہے:

محدث سہارنپوری مولانا حافظ احمد علی صاحب نے اپنی نگرانی میں جو نسخہ اُس میں اس مقام پر حدیث کے لفظ کی بجائے حیث کا لفظ لکھا ہے اور راقم الحروف محمد وصی احمد عفا اللہ عنہ کے نزدیک یہی نسخہ زیادہ صحیح ہے اور اس نسخہ کی بناء پر یوں ہوگا کہ رمضان سے پہلے روزہ رکھنے کی کراہت کا سبب یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان سے پہلے روزہ نہ رکھو اور اس تقریظ پر لفظ حیث تعلیلیہ (یعنی سبب کا معنی ظاہر کرنے والا) ہوگا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رمضان سے پہلے روزہ نہ رکھو اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ دلیل کراہت اُس جگہ ہے جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا ہے یعنی کراہت کے ثبوت کی جگہ یہ حدیث ہے اور ان آخری دو صورتوں میں لفظ حیث ظرفیہ (یعنی جگہ کا معنی ظاہر کرنے والا) ہوگا، یہ وہ تقریر ہے جو مجھ پر ظاہر ہوئی اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ ۱۸

علّامہ غلام رسول سعیدی مزید لکھتے ہیں:

علّامہ وصی احمد محدث سوتی کی اس تقریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو کتاب فہمی کا عظیم ملکہ حاصل تھا، چنانچہ آپ نے ترمذی کے دو نسخوں

میں اُس نسخہ کو ترجیح دی جس میں حدیث کی بجائے ''حیث'' کا لفظ ہے اور لفظ حیث کے تین محل بیان ہوئے ہیں، ایک بااعتبار تعلیل کے اور دو بااعتبار ظرفیت کتاب فہمی کے لئے ضروری ہے کہ عبارات کتب پر ہر جگہ گہری نظر ہو، حقیقت مجاز استعارا اور کنایہ محاورہ اور روزمرہ کے اعتبار سے الفاظ کے محلِ استعمال سے واقفیت ہو، اختلاف اعراب سے جو معنی پر اثر پڑتا ہے وہ نگاہ سے اوجھل نہ ہو حضرت علّامہ وصی احمد محدث سورتی اسی شان کے مالک تھے، مذکورہ بالا حدیث پر جو آپ نے حاشیہ لکھا ہے اُس سے آپ کی کتاب فہمی کی ایک جھلک ظاہر ہوتی ہے۔ ۱۹

قیام شہرِ رمضان کے باب میں امام ابوعیسیٰ ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث بیان کی ہے کہ حضرت ابوذر بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ روزے رکھے، ہم نے تراویح نہیں پڑھی یہاں تک کہ صرف سات دن رمضان ختم ہونے میں رہ گئے پھر تیئیسویں شب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو تراویح پڑھائیں یہاں تک کہ تہائی رات باقی رہ گئی، پھر چوبیسویں شب کو قیام نہیں فرمایا اور پچیسویں شب کو تراویح پڑھائیں یہاں تک کہ آدھی رات گزر گئی ہم نے عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کاش آپ ساری رات نماز پڑھاتے رہتے، اس حدیث پر تحشیہ کرتے ہوئے علّامہ وصی احمد سورتی تحریر فرماتے ہیں:

بندۂ مسکین وصی احمد عفا اللہ عنہ کہتا ہے کہ امام محمد نے حدیث حضرت عائشہ کو اپنی موطا میں ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھاتے تھے، چار رکعت پڑھتے اور نہ پوچھو کہ اُن کے طول اور حسن کا کیا مقام تھا پھر چار رکعت پڑھتے اور نہ پوچھو کہ اُن کے حسن اور طول کا کیا مقام

تھا پھر تین رکعت وتر پڑھتے، ملّا علی قاری اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے کشف لغطاء میں لکھتے ہیں علّامہ سیوطی نے حافظ ابنِ حجر سے یہ نقل کیا ہے کہ ابنِ شیبہ نے حضرت ابنِ عباس سے یہ روایت بیان کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رمضان میں بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھا کرتے تھے اور یہ روایت ضعیف ہے، علاوہ ازیں یہ حضرت عائشہ کی حدیث صحیح سے معارض بھی ہے جب کہ حضرت عائشہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے احوال سے زیادہ واقف تھیں، حافظ ابن حجر مکی کے جواب میں ملّا علی قاری لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس کی حدیث سے یہ معلوم ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے اور یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن بہر صورت فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا بالاتفاق جائز ہے، امام بیہقی نے اپنی کتاب معرفۃ میں سند صحیح کے ساتھ یہ حدیث بیان کی ہے کہ ہم حضرت عمر بن خطاب کے دور خلافت میں بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھا کرتے تھے پس گویا کہ بیس رکعت تراویح پر بغیر کسی انکار کے اجماع ہوگیا اور اس کی تائید اس حدیث سے ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری سنّت کو لازم رکھو اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنّت کو اس کے بعد دونوں حدیثوں میں تطبیق اس طرح دی جاسکتی ہے کہ حضرت ابنِ عباس کی حدیث کا محمل یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رمضان میں اوائل شب میں تراویح پڑھتے تھے اور حضرت عائشہ کی حدیث کا محمل یہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آخر شب میں تہجد پڑھتے تھے، ملّا علی قاری کی بات ختم ہوئی، صاحبِ فہم وفراست سے مخفی نہیں ہے کہ علّامہ قاری کی گفتگو سے دو باتیں معلوم ہوئیں اوّل

ابنِ شیبہ کا ضعف اس کی روایت پر عمل کرنے سے مانع نہیں ہے دوئم یہ کہ حضرت ابنِ عباس اور حضرت عائشہ کی روایت میں تعارض نہیں ہے کیونکہ حضرت ابنِ عباس کی روایت پر اور حضرت عائشہ کی روایت تہجد پر محمول ہے۔ ۲۰

اس حاشیے کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا سورتی ایک حدیث سے متعلق اور مناسب تمام احادیث اور اُن کی شروح پر گہری نظر رکھتے تھے، فہم حدیث کے سلسلے میں یہ بھی ضروری ہے کہ محدث حدیث کے تمام طرق پر نظر رکھتا ہو، اس اعتبار سے بھی حضرت محدث سورتی کی نظر بے حد وسیع تھی اس کا اندازہ اس بات سے کیجئے کہ سونے اور چاندی میں نصاب زکوٰۃ کے بارے میں امام ترمذیؒ نے جو حدیث وارد کی اسی کو امام ترمذی نے ضعیف قرار دیا ہے، حضرت محدث سورتی نے اس حدیث کے اور کئی طرق ذکر کئے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث کہ ہم انشاء اللہ امام اعظم کی سند سے ابوداؤد کے حاشیہ میں بیان کریں گے نیز اسی کو بیہقی نے بھی روایت کیا ہے اور ابن ماجہ نے حضرت ابنِ عباس سے اور طبرانی نے کبیر میں ابی ثعلبہ سے اور اوسط میں حضرت جابر اور ابن مسعود سے۔ اسماء روایت کا ضبط کرنا یعنی ان کے اسماء کی حرکات وسکنات کو منضبط اور راوی کے اسم ولقب اور کنیت سے باخبر ہونا بھی فہم حدیث کے لئے ایک ضروری امر ہے، مولانا سورتی نے اپنے حاشیہ میں اس امر کا بھی التزام کیا ہے چنانچہ عنوان ابن ابی جحیفہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ عون ابنِ ابی جحیفہ سدائی میں لفظ سدائی پر پیش ہے اور الف کو مد کے ساتھ پڑھنا ہے یہ کوفی اور ثقہ تابعی تھے، ۱۱۶ھ میں وفات پاگئے اور ابو جحیفہ میں پہلے جیم ہے یہ لفظ جہینہ کی طرح ہے ان کا نام واہب بن عبداللہ تھا لیکن ابو جحیفہ کنیت کے ساتھ مشہور ہوگئے انہیں واہب الخیر کا لقب ملا تھا اور یہ مشہور صحابی تھے۔ ۲۱

فہم حدیث میں صرف راوی کے اسماء کے ضبط اور اس کے اسم وکنیت کا فرق معلوم کرنا ہی کافی نہیں بلکہ اس کی ضعاف پر جرح وتعدیل کے الفاظ سے واقف ہونا بھی ضروری ہے حضرت محدث سورتی اس فن میں بھی طاق تھے، ایک مقام پر حارث ابن عبداللہ الاعور کے بارے میں لکھتے ہیں کہ حارث بن عبداللہ الاعور ہمدانی میں م ساکن ہے، حوتی میں حا پر پیش ہے یہ شخص کوفہ کا رہنے والا تھا، حضرت علی کا شاگرد تھا، شعبی نے اس کو جھوٹا قرار دیا ہے اور اس پر رافضی ہونے کی تہمت لگائی گئی تھی، امام نسائی نے اس سے صرف دو حدیثیں روایت کی ہیں، حضرت عبداللہ بن زبیر کی خلافت میں اس کا انتقال ہوگیا تھا۔ ۲۲

بحیثیت ایک محدث شروح اربعہ ترمذی پر مولانا سورتی کی تعلیقات ایک ایسا حسین گلدستہ ہیں جن میں نہ صرف علم حدیث سے متعلق علوم جمع کردیئے گئے ہیں بلکہ قواعد عربیہ اور فنونِ ادبیہ کے تمام اصول وفروع اس میں شامل کردیئے گئے ہیں، ترمذی کی ان شرح سے استفادہ کرنے والا کوئی شخص اس حاشیہ سے مستغنی نہیں ہوسکتا، شروح اربعہ پر محدث سورتی کی یہ تعلیقات جو عربی اور فارسی میں ہیں زیور طبع سے آراستہ ہونے کے باوجود اہلِ علم کے لئے اب نادر ونایاب ہوچکی ہیں۔

حاشیہ میبذی شرح ہدایت الحکمۃ

شیخ رشید الدین عمر الابہری کی تصنیف ''ہدایت الحکمۃ'' کی ایک معروف شرح میبذی کے نام سے مشہور ہے، اس کے مصنف ملا حسین بن معین میبذی (م۱۰۹۶ھ) تھے، جن کو فلسفہ میں خصوصی ملکہ حاصل تھا، میبذی دینی مدارس میں بڑی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے کیونکہ اس سے ہدایۃ الحکمۃ کے متن میں بیان کردہ دقیق فلسفیانہ مسائل کے سمجھنے میں خد درجہ مدد ملتی ہے، برصغیر میں میبذی کو حکمت وفلسفہ کی ایک اہم کتاب تصور کیا جاتا ہے اور اس پر متعدد علماء نے

حواشی تحریر کئے ہیں، حضرت محدث سورتی نے بھی میبذی پر ایک مختصر حاشیہ قلمبند کیا ہے، جو مطبع نظامی کانپور سے شائع ہوا تھا، اب تقریباً نایاب ہے، مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کی لائبریری میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے جس سے فلسفہ وحکمت میں محدث سورتی کے علم پر روشنی پڑتی ہے۔ ۲۳

حاشیہ مقامات حریری

ابوقاسم بن علی بن محمد بن عثمان الحریری (م۵۱۶ھ) عربی ادب میں صاحبِ طرز انشاء پرداز اور مقامات نویسی میں فقید المثال عالم گزرے ہیں، حکایات نویسی کا آغاز بدیع الزماں احمد بن حسین ہمدانی (م۳۹۸ھ) نے کیا اور مقامات ہمدانی تحریر کی لیکن یہ صنفِ ادب ابوقاسم بن علی حریری کی کاوشوں سے عروج پر پہنچی، مقامات حریری عربی زبان کے متنوع اسالیب، امثال ومحاورات اور رموز بیان کا آئینہ ہے، مقامات حریری میں حفظِ معانی، لغات اور الفاظ کے مختلف استعمال، بدائع وضائع کو جس انداز میں اجاگر کیا گیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے، عرب ادب آج مقامات نویسی سے بہت آگے نکل چکا ہے لیکن اس کے باوجود مقامات حریری کی اہمیت اپنی جگہ قائم ہے۔ اس کتاب کے تقریباً دنیا کی تمام زبانوں میں ترجمے ہوچکے ہیں، خصوصاً عربی، فارسی اور اردو میں تو اس کی متعدد شروحات ضبط تحریر میں لائی گئی ہیں، حضرت محدث سورتی نے بھی اس کا حاشیہ لکھا تھا، جو مطبع یوسفی سے ۱۳۰۲ھ میں طبع ہوا۔ یہ حاشیہ اب صرف رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے۔

حاشیہ شرح مشکوٰۃ المصابیح

چھٹی صدی ہجری میں امام ابومحمد حسین بن مسعود الفراء البغوی (م۵۱۶ھ) نے صحاح ستہ اور حدیث کی دیگر کتابوں سے احادیث کا ایک انتخاب ''مصابیح'' کے نام سے کیا جس میں چار ہزار چار سو چوراسی (۴۴۸۴) احدیث موجود تھیں، یہ

انتخاب ہر چند کہ بہت وقیع تھا لیکن اس کے باوجود ترتیب وتدوین کے اعتبار سے اس میں کچھ فنی خامیاں موجود تھیں چنانچہ آٹھویں صدی ہجری میں معروف محدث علامہ شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب عمری عراقی نے عرصہ دراز کی محنت شاقہ کے بعد ان خامیوں کو دور کیا اور اس انتخاب کو ''مشکوٰۃ المصابیح'' کے نام سے پیش کیا، ''مشکوٰۃ المصابیح'' کو حلقہ علماء وطبقہ محدثین میں بہت جلد مقبولیت حاصل ہوئی اور آج بھی کتب احادیث میں یہ ایک معتبر مقام رکھتی ہے، علامہ ولی الدین عراقی نے مشکوٰۃ المصابیح کی ترتیب کے ساتھ ایک اور اہم خدمت انجام دی اور وہ ایک ہزار تینتیس (۱۰۳۳) رجال حدیث کا تذکرہ ہے جسے ''اکمال فی اسماء الرجال'' کے نام سے مقبولیت حاصل ہوئی۔ ''اکمال'' کے مترجم مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی نے لکھا ہے کہ فنِ رجال میں اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اگر یہ مجموعہ تالیف نہ ہوتا تو بیشتر صحابہ اور تابعین کے حالات پردۂ اخفاء میں رہ جاتے۔

مولانا سورتی کو ''مشکوٰۃ'' سے ایک شغفِ خاص تھا چنانچہ آپ نے آخرِ عمر میں مشکوٰۃ شریف کی ایک شرح تالیف فرمائی، تاکہ علماء وطلباء کو اس اہم کتاب کے مشکل مقامات کو سمجھنے میں آسانی ہو، علامہ محمود احمد قادری لکھتے ہیں کہ مولانا سورتی کے ایک شاگرد مولانا سیّد مصباح الحسن پھپھوندی کہتے تھے کہ حضرت کی تمنا تھی کہ میری موت حدیث پڑھاتے ہوئے آئے چنانچہ بوقت وفات مشکوٰۃ شریف آپ کے سینے پر تھی اور ''اھدنا الصراط المستقیم'' پر روح نے جسم سے جدائی اختیار کی، علامہ قاری نے مولانا سورتی کی تصانیف کے ضمن میں لکھا ہے کہ جلالین اور مشکوٰۃ کے حواشی مولانا سردار احمد محدث لائل پوری آپ کی اہلیہ سے شائع کرانے کے وعدے پر لے گئے تھے پھر پتہ نہیں چلا کہ یہ حواشی کہاں اور کس کے پاس ہیں۔

حاشیہ شرح شفا ملا علی قاری

مولانا سورتی کے ملّا علی قاری کی شرح شفاء پر مختصر حواشی مولانا وقار الدین پیلی بھیتی کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہیں۔

حاشیہ موطا امام محمد

مولانا سورتی کے موطاء امام محمد پر مختصر تعلیقات مولانا وقار الدین پیلی بھیتی کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہیں اس کے علاوہ بحیثیت طبیب بھی حضرت محدث سورتی نے علم طب کی بعض کتب پر حواشی اور افادات قلمبند کئے ہیں۔

خلاصۂ بحث

مولانا سورتی ایک صاحب قلم، محدث، مفتی، مفسیر اور بے مثال محشی نگار تھے جبکہ تدریسی مصروفیات اس کے علاوہ تھی خدمات الگ ہیں اور بہ حیثیت قائدانہ شخصیت کے آپ نے اپنے زمانے کی تمام تحریکات میں بھرپور انداز سے حصہ لیا آپ کا زیادہ تر وقت درس وتدریس اور تصانیف وتالیف کی ہی مصروفیات میں گزارتا تھا اور آپ نے جو بھی کام کیا وہ بلاکسی شک وشبہ کے آپ کی علمی صلاحیتوں کا لوہا منوانے کے لئے کافی ہے، آپ اپنی تصانیف حاشیہ نگاری میں کمال فن عروج پر نظر آتیں ہیں اگر آج آپ کا ذاتی کتب خانہ موجود ہوتا تو نہ جانے اور کس قدر نادر و نایاب کتب ہمارے سامنے موجود ہوتیں۔

تخلیق پاکستان میں مولانا سورتی کے اخلاف کا کردار

پیلی بھیت کی ذرخیز سرزمین کے دامن میں بے شمار ایسے نفوس موجود رہے ہیں جنھوں نے جنم تو اُس زمین میں لیا مگر ان کی خوشبوں سرزمین پاک تک پہنچی ، ایسے ہی بے شمار افراد میں سے ایک مولانا وصی احمد سورتی کا بھی خاندان ہے جو کئی دہائیوں سے پیلی بھیت میں موجود رہا ہے اور آج بھی اس خاندان کے بیشتر افراد

وہاں رہائش رکھے ہوئے ہیں، جامع مسجد پیلی بھیت سے کچھ فاصلے پر محلہ منیر خان ہے اسی محلے میں مولانا وصی احمد سورتی اپنے اہل خانہ کے ساتھ تادم مرگ مقیم رہے ہیں اور اسی گھر کے ساتھ ملا ہوا مولانا وصی احمد سورتی کا مدرسہ الحدیث تھا جہاں سے بے شمار مبلیغ، مفسیر، مقرر، محدث، مصنف، مفتی، وغیر حضرات نے تربیت حاصل کی، کسی بھی استاذ کیلئے تلامذہ اسکی اولاد کے جیسے ہوتے ہیں یہی حال مولانا سورتی کا تھا، آپ جہاں آپ کی اولاد ہو یا آپ کے تلامذہ آپ پورے انصاف کے ساتھ اپنی علمی وتربیتی فرائض کو ادا کیا کرتے تھے مولانا سورتی کی اپنی زندگی مسلسل جدوجہد سے عبارت ہے اور اسی سعی کو آپ نے اپنے تلامذہ واولاد میں بھی منتقل کیا اس وقت ہم آپ کے اخلاف کی اس جہد مسلسل کا ذکر بیان کرئے گئے جو انھوں نے تخلیق پاکستان کے حوالے سے سرانجام دی، مولانا سورتی کے صرف ایک ہی نرینہ اولاد تھی۔

مولانا عبدالاحد پیلی بھیتی المتوفی ۱۲۹۸ھ بمطابق ۱۸۸۳ء [رضی حیدر، خواجہ، حکیم قاری احمد پیلی بھیتی (میرے والد) سورتی اکادمی کراچی، ۲۰۱۴ء، ص ۲۰] مولانا عبدالاحد پیلی بھیتی نے جن اہم تحریکات میں حصہ لیا ان میں سرفہرست دوقومی نظریہ ہے جس کی بنیاد پر ہمارے اہل علماء نے پاکستان کی بنیاد رکھی اور اسکی جدوجہد میں سرتوڑ کوششیں کیں

۱۸۵۷ء اور اس کے بعد کے مسائل میں مولانا طیب سورتی و مولانا وصی احمد سورتی کا کردار

مولانا وصی احمد سورتی اپنے زمانے کے ان چند علمائے کرام اہل شریعت میں سے ایک تھے جنھوں نے اپنے بچپن سے لے کر عہد شباب اور اس کے کافی عرصہ بعد تک ان کی زندگی، مسلسل جہد سے عبارت ہے اور ان کو شروع سے ہی کافی

مصائب کا سامنا کرنا پڑھا شاہد اللہ تعالیٰ نے اسی لئے آپ کے علم میں اس قدر اضافہ فرمایا تھا کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کسی سے کوئی خاص کام لینا چاہتا ہے تو اس کے ذہنی وجسمانی قوت کو بہت مضبوط وتوانائی سے بھرپور کردیتا ہے، مولانا سورتی کی زندگی کے مطالعہ سے یہ بات روشن ہوجاتی ہے کہ آپ نے اپنے بچپن سے ہی دشواریوں کا سامنا کرنا سیکھ لیا تھا، جس وقت آپ صرف ۲۰ سال کے ہی ہوئے تھے تو ہندوپاک کی اسلامی سرزمین پر قائم اسلامی سلطنت کا خاتمہ ہوا اور آپ نے ایک غیر اسلامی اقوام کو اپنے ہی ملک میں اقتدار پر قابض ہوتے دیکھا آپ کا خاندان شروع سے مذہبی واسلامی اقدار کا حامل رہا ہے مولانا سورتی کے والد بزرگ، مولانا طیب سورتی نے بھی اپنے دور مین شہر سورت میں اصلاحی عقائد کی تحریکات میں بھرپور حصہ لیا اور جب ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی شروع ہوئی تو اس وقت بھی آپ کے والد نے اپنی پوری قوت اس جنگ آزادی کے مجاہدین کے لئے صرف کردی، اس زمانے میں سورت کے راستے سے ہی لوگ زیادہ تر سفر کیا کرتے تھے لہذا اکثر مجاہدین بحری سفر کے لئے سورت کی جانب ہی آتے تھے اس کی بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ یہ راستہ بہت محفوظ سمجھا جاتا تھا اسی کہ ساتھ ۱۸۷۵ء کی جنگ آزادی میں شہر سورت کی حالت دیگر شہروں سے قدرے بہتر تھی جیسا کہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ص ۱۱۷ جلد ۲۶ مطبوعہ میں درج ہے کہ "اس وقت سوت ۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی کے دوران کسی قسم کا ہنگامہ نہیں ہوا مسلمانوں کی ایک بھاری اکثریت ہونے کے باوجود مقامی انتظامیہ جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے اہل کاروں پر مشتمل تھی بڑی خوش اسلوبی سے انتظام چلاتی رہی؛" الغرض مولانا طیب سورتی کا گھر خاموشی کے ساتھ مجاہدین کے لئے ایک بہترین پناہ گاہ ثابت ہو رہا تھا حالانکہ اس جنگ میں مولانا سورتی سے بڑے دو بیٹے شہید ہو چکے تھے، جنگ آزادی سے پہلے بھی مولانا طیب

سورتی نے ہندوستان کے معاشرے میں پھیلی ہوئی بدعت کے خاتمہ کے لئے عملی اقدامات کئے تھے، آپ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی مذہبی تحریکات سے حددرجہ متاثر تھے، آپ نے قیام سورت کے دوران وہاں کے مقیم سنی بوہیر کے عقائد و اعتقادات بدعت کی بہت سخت گرفت کیں تھی مولانا طیب، سورتی ایک مسلم ہونے کے ساتھ مسلک امام ابوحنیفہ کے پیروکار تھے آپ نے اپنے خاندانی تجارت یعنی کپڑے کی کاروبار کرنے سے پہلے ہی فریضہ حج کی ادائیگی اور زیارت شریف کی سعادت حاصل کرلی تھی اور اسی دوران مکہ مکرمہ میں موجود حضرت علامہ سید زین العابدین کے درس حدیث میں شریک ہوکر سند حدیث حاصل کرچکے تھے (علامہ سید العابدین خاندانِ خواجہ اجدا ابویوسف ہمدانی کی اولادوں میں سے تھے) اور مکہ مکرمہ میں مسند حدیث پر فائز تھے، مولانا طیب سورتی جوتاحیات امام ابوحنیفہ کے مسلک پر کاربند رہے، انھیں علوم فقہ وحدیث میں نہ صرف گہری رغبت تھی بلکہ ان علوم پر گہری نظر بھی رکھتے تھے مولانا سورتی تصویر امامت کی نفی کرتے ہوئے ،تصویر خلافت کو جائز اور بالکل درست قرار دیتے تھے مولانا طیب نے اس زمانے میں شیعہ اسماعیلیہ بوہروں کی قرابت وصحت کی بناء پر رائج بدعتوں کے خاتمہ کے لئے شبانہ روز کوششیں شروع کردی آپ کی جدوجہد سے آخرکار کامیابی حاصل ہوئی، مگر اسی کے ساتھ مولانا کے دشمنوں میں اضافہ ہوتا چلا گیا مولانا طیب راندیر کے علاقے سپاہی واڑے میں رہا کرتے تھے اور اسی محلہ کی جامع مسجد میں آپ کا درس ہوا کرتا تھا آپ خطبہ جمعہ بھی اسی مسجد میں دیا کرتے تھے آپ کے درس میں زیادہ تر عقائد اصلاح کا پہلو نمایاں طور سے ہوا کرتا تھا۔[صفحہ ۹ تا ۱۱ یہاں ڈالنا ہے]

اسی ہی مذہبی و اصلاحی ماحول میں مولانا وصی احمد سورتی کی تربیت و پرورش ہوئی جہاں ہر کام میں شعائر اسلامی کو فوقیت دی جاتی تھیں، لہٰذا مولانا وصی احمد سورتی

کی رگوں میں بھی مسلک امام ابوحنیفہ کی تعلیمات خون بن کر دوڑ رہی تھی وقت بے شک بدل چکا تھا، اور انگریزوں کی عیارانہ چال کو نہ سمجھتے ہوئے ۱۸۵۷ء کے بعد لوگوں کے دلوں پر طمع ولالچ نے بھی وہ جال پھیلایا کہ ہر شخص ایک پر آسائش اور آرام طلبی کا طلب ہوتا جارہا تھا تو دوسری جانب انگریز حکمران اپنے قدموں کو ہر گزرتے پل مضبوط سے مضبوط تر کرتے جارہے تھے اور ایسی ہی نازک وقت میں مولانا سورتی نے آنے والے طوفانی خطرات کا نہ صرف اندازہ لگالیا تھا بلکہ اس کے سدباب کے لئے اپنی کوششیں بھی شروع کردی تھی دوسری جانب حکمران طبقہ کی یہ حواس بڑھتی جارہی تھی کہ سورج اس کی سلطنت میں غرب ہی نہ ہو، انگریز حکمرانوں نے بہت عیاری کے ساتھ مسلمانوں کی کمزوریوں سے فائدہ حاصل کرنا شروع کردیا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جب کوئی قوم کسی کی ریاست وحکومت چھینتی ہے تو ان لوگوں کی پہلے کمزوروں پر نظر رکھتی ہے لہٰذا انگریز طبقہ کو مسلمانوں کے نازک اور جزباتی معاملہ مذہب نظر آگیا چنانچہ مسلمانوں میں مسلکی معاملات کو ہوادینا شروع کردیا گیا تاکہ مسلمان آپس میں ہی الجھ کر رہ جائے کیونکہ اگر انگریزوں کو اپنی حکومت کے ختم ہونے کا ڈر کسی سے تھا، تو وہ صرف اور صرف مسلمان ہی ہوسکتے تھے لہٰذا مسلمانوں کو ایک منصوبے کے تحت، ایسے معاملات میں لڑایا جارہا تھا جس میں الجھ کر وہ آپس میں ہی لڑتے رہے اور کبھی ان کو حل ہی نہ کرسکے وہ مندرجہ ذیل ہیں؛

☆سب سے پہلے انھوں نے اپنے مغربی افکار کو فروغ دینا شروع کردیا

☆انگریز حکمرانوں نے منصوبہ بندی کے تحت کتاب اللہ اور سنت بنوی ﷺ کو مساجد کی چاردیواری تک محدود کرنا چاہا ،

☆اسی زمانے میں اعمال شریعت اور اوصاف طریقت کو شرک، بدعت کہنا شروع کردیا۔

☆ خاتمہ النبیین حضرت محمد مصطفی ﷺ کے اسم مقدس کی ادائیگی کو مردود کرنا شروع کردیا

☆ نماز میں خیال رسول اللہ کا آنا جائز ہے یا ناجائز کی بحث شروع کردی

☆ بعد از پیش امام سے مصافحہ کرنا مکروہ ہے یا مسنون اس بات کی بحث میں الجھایا گیا

☆ بعد از تلاوت قرآن پاک کو بوسہ دینا حرام ہے یا حلال

☆ بعد از نماز ذکر بالجہر واجب ہے یا متروک

☆ اساتذہ کرام کی دست بوسی کو بھی خلاف شریعت قرار دیا گیا

☆ اس بحث میں معصوم عوام کو الجھایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کو علم غیب تھا یا نہیں

یہ اور اس جیسی بے شمار ولا تعداد مسائل کے ساتھ مسلمانوں کو الجھایا گیا، مولانا وصی احمد سورتی اس بات کو بہت اچھے سے جانتے تھے کہ جب تک مسلمانوں کو تعلیمی معاملات میں مضبوط نہ کیا گیا اس وقت تک یہ انتشار کی حالت رہے گی۔ [۶۹۱ تا ۲۰۷]

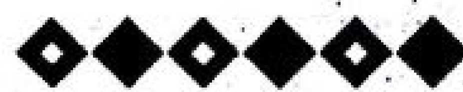
خلاصہ بحث

مسلمانوں کی تاریخ کا جس قدر ہم مطالعہ کرتے جائے ہمیں معلوم ہوتا جائے گا کہ جب بھی اہل مسلم انتشار کا شکار ہوئے تو اس کے پیچھے اپنوں کا ہی ہاتھ تھا ۱۸۷۵ء کی جنگ آزادی میں ایک جانب اگر مسلمان اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے تھے تو دوسری جانب، انگریز حکمرانوں کی جانب کچھ اہل مسلم پر عنایات ونوازشیوں کی برسات بھی ہورہی تھی اور یہ وہی لوگ تھے کہ جو انگریز غلامی کو پسند کیا کرتے تھے اور در پردہ اپنے ہی مسلم بھائیوں کے دشمن بنے ہوئے تھے مولانا طیب سورتی اور مولانا وصی احمد سورتی دونوں کی زندگیوں کا مقصد صرف یہی تھا کہ (برصغیر جس میں

مسلمانوں نے صدیوں تک عظیم الشان سلطنت قائم کی ہوئی تھیں) وہاں کے مسلمان اپنے قدموں پر نہ صرف دوبارہ سے کھڑے ہوجائے بلکہ اپنے اسلامی اقدار کی پہچان کو برقرار رکھے، اپنی عظمتِ کی شان کو پہچانے اور یہ اسی صورت ممکن تھا جب ان مین سے عقائد کی اصلاح کی جائے ان کو صحیح خطوط پر چلایا جائے اور ان کے اندر جو بدعت شامل ہوچکی تھی اس کا خاتمہ کیا جائے۔

حوالہ جات

۱۔ محمود احمد قادری، ''مولانا وصی احمد سورتی'' معارف، اعظم گڈھ اپریل ۱۹۷۲ء ص ۲۹۱
۲۔ ایضاص ۲۹۲
۳۔ رضی حیدر، خواجہ، تذکرہ محدث وصی احمد سورتی، مطبع سورتی اکیڈمی کراچی ۱۹۸۰ء، تقریظ
۴۔ رضی حیدر، تذکرہ محدث سورتی، ص ۶۹
۵۔ رضی حیدر، تذکرہ سورتی ص ۷۸
۶۔ ایضاً
۷۔ محمد حنیف خاں، مولانا، حالات فقہا ومحدثین، امام احمد رضا اکیڈمی بریلی، ۲۰۰۷ء، ص ۱۳۴، ۱۳۵
۸۔ ایضاً
۹۔ رضی حیدر، تذکرہ محدث سورتی، ص ۳۲۹؛ وصی احمد سورتی، حاشیہ شرح معانی الآثار، ج ۲، ص ۳۳۴
۱۰۔ غلام رسول سعیدی، تذکرۃ المحدثین، فرید بک اسٹال لاہور ۱۹۷۷ء، ص ۱۷۰
۱۱۔ رضی حیدر، تذکرہ محدث سورتی، ص ۳۳۲
۱۲۔ غلام رسول سعیدی، ''محدث سورتی کی تعلیقات،'' مطبوعہ ترجمان اہل سنت کراچی، جنوری ۱۹۷۹ء، ص ۵۹
۱۳۔ غلام رسول سعیدی، مولانا ''محدث سورتی کی تعلیقات''، ص ۵۳؛ وصی احمد سورتی، مولانا، حاشیہ سنن نسائی، ص ۶۶۷
۱۴۔ انٹرویو خواجہ رضی حیدر، ۱۵/ اکتوبر ۲۰۰۴ء، کراچی
۱۵۔ ایضاً
۱۶۔ وصی احمد سورتی، مولانا، حاشیہ شرح ملا حسن، ص ۵۸
۱۷۔ غلام رسول سعیدی، '' محدث سورتی کی تعلیقات'' ص ۵۹
۱۸۔ رضی حیدر، تذکرہ محدث سورتی، ص ۳۳۲؛ وصی احمد سورتی، حاشیہ شروح اربعہ ترمذی، ص ۳
۱۹۔ غلام رسول سعیدی، ''محدث سورتی کی تعلیقات،'' ص ۵۹
۲۰۔ رضی حیدر، تذکرہ محدث سورتی، ص ۳۳۴
۲۱۔ ایضاً، ص ۳۲۷
۲۲۔ ایضاً، ص ۳۲۸، ۳۲۹
۲۳۔ ایضاً، ص ۳۶۳
۲۴۔ ایضاً، ص ۳۶۳
۲۵۔ انٹرویو خواجہ رضی حیدر، مورخہ ۱۵ اکتوبر ۲۰۰۴ء، قائداعظم اکیڈمی، کراچی



لازم ہے ہر نفس پر اطاعت حضور کی

لازم ہے ہر نفس پر اطاعت حضور کی
جنت میں لے کے جائے گی اُلفت حضور کی

اولاد و والدین سے سمجھو اُنہیں عزیز
ہر دل میں جاگزیں ہے، محبّت حضور کی

وہ ہر زمان و عہد کے سچے رسول ہیں
دراصل آخری ہے رِسالت حضور کی

کوئی نبی نہ آئے گا دُنیا میں اُن کے بعد
زندہ رہے گی بیشک، شریعت حضور کی

دُنیائے رنگ و بُو میں آئے گا انقلاب
اپنائے گی کائنات جب، سیرت حضور کی

شیریں کلام آپ کا، انداز دل نشیں
مشہور تھی عرب میں بلاغت حضور کی

بطحا کی وادیوں میں، مدینہ کے گرد و پیش
موجود آج تک ہے، لطافت حضور کی

گرویدہ ہو گیا تھا وہ شخص آپ کا
جس نے سُنی نوائے فصاحت حضور کی

بخشا کبھی نہ جائے گا وہ روزِ احتساب
جس کو نہ ہو نصیب، شفاعت حضور کی

حسنِ خلق سے جیت لئے آپ نے قلوب
گُل بار و خوش بہار تھی، خصلت حضور کی

شقّ القمر کا معجزہ کتنا عجیب تھا
دیتا ہے ماہِ تاب، شہادت حضور کی

آندھی کا اک سماں تھا، دُشمن کی فوج میں
مضمر تھی مشت خاک میں، طاقت حضور کی

دنیا میں ظُلم و جَور کا ہے سلسلہ دراز
لازِم ہے طلبِ رحمت و رافت حضور کی

فِرعَون اور شدّاد ہے دُنیا میں جائے گیر
اپنی ضرورت ہو گئی، رحمت حضور کی

بیماریٔ قلُوب کا ہے، ایک ہی علاج
نُسخۂ کیمیا ہے وہ حکمت حضور کی

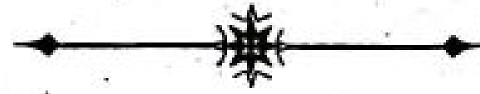
پائی کئی اقوام نے ہے بیش تر شفاء
اختیار کی جنہوں نے ہے طاعت حضور کی

ہو گی جو در حقیقت صداقت کی ترجماں
سمجھیں گے اس کو لوگ، صحافت حضور کی

ہجر و الَم کے مارے ہوئے ہیں لوگ سب
ہم کو فقط نصیب ہو شفقت حضور کی

دن رات یاد پاک میں تڑپا کئے سعید
لازم ہے اُس کے واسطے رحمت حضور کی

اے بدر رات دن ہے میری یہی دعا
محشر میں ہو نصیب رفاقت حضور کی



محمد سعید احمد بدر قادری

مرحبا ممتاز اے مردِ مُہام

(جناب متین کاشمیری)

مرحبا ممتاز اے مردِ مُہام   تیری ہمت تیری جرأت کو سلام
تیرا یہ ایثار، بے خوفی تیری   کفر و باطل کا کیا جینا حرام
تیری بے باکی، تیری مردانگی   دشمنِ دیں کو کیا ہے زیرِ دام
خرمنِ باطل پہ کوندی بار بار   برقِ تاباں تیری تیغِ بے نیام
تجھ پہ ہے اللہ کا فضل و کرم   حق بجانب تو ہے اور تیرا پیام
خواجۂ بطحا سے یہ منصب ملا   ذکر کرتا ہے تیرا ہر خاص و عام
یا ابوبکر و عمر عثمان علی   حمزہ و شبیر خالد کے غلام
غوثِ اعظم بوحنیفہ کے طفیل   سربلند ہو عزم تیرا گام گام
ٹیپو و محمود، ایوبی کے سپوت   ہے ہمارے دل میں تیرا احترام
جن مہاشوں سے ہوئی گستاخیاں   اعلیٰ حضرت نے ہی دی انکو لگام

تیرے دل میں ہو اگر جذبہ متینؔ
تجھ پہ بھی لازم ہے کر کچھ اہتمام

